نصرۃ میگزین

جمادی الثانی-رجب 1443ھ | جنوری–فروری 2022ء

شمارہ-64

سرمایہ دارانہ طاقتوں کے مالیاتی ہتھکنڈے

میاں بیوی کا باہمی راز کھولنا حرام ہے اور شوہر کی ناشکری حرام ہے

ریاست کی طرف سے صحت کی اعلیٰ درجے کی سہولیات کی مفت فراہمی کا اسلامی فرض

صرف خلافت ہی امریکی معاشی آرڈر کے ہاتھوں ہماری بدترین معاشی بدحالی اور تذلیل کا خاتمہ کرے گی

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(222-223) 5

ریاست کی طرف سے صحت کی اعلیٰ درجے کی سہولیات کی مفت فراہمی کا اسلامی فرض 15

سرمایہ دارانہ طاقتوں کے مالیاتی ہتھکنڈے 34

چین بالمقابل امریکہ: جنگ، مشغولیت یا روک تھام؟ 40

میاں بیوی کا باہمی راز کھولنا حرام ہے اور شوہر کی ناشکری حرام ہے 45

خلافت کے قیام سے دنیا میں حاصل ہونے والی برکتیں 54

ترقی اور ثقافتی تجدید (حصہ دوئم) 64

صرف خلافت ہی امریکی معاشی آرڈر کے ہاتھوں ہماری بدترین معاشی بدحالی اور تذلیل کا خاتمہ کرے گی 75

ان شاءاللہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت عنقریب قائم ہو گی 80

سوال وجواب: اسلام کی طرف دعوت اور اسلام کے لیے عمل کے درمیان فرق 85

سوال وجواب: مسلمان کی وہ نماز جو چھوٹ گئی، اس کی گردن پر ایک قرض ہے، جس کی ادائیگی ضروری ہے 89

سوال وجواب: "نہ نقصان پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا" کا قائدہ اور اس کا کورونا وائرس اور نماز میں فاصلے سے تعلق 96

میڈیا سرگرمیاں 105

اداریہ

موجودہ سرمایہ دارانہ ورلڈ آرڈر کے تحت، دولت کا بے پناہ ارتکاز اب ناقابلِ برداشت سطح پر پہنچ چکا ہے۔ پیرس کی عالمی عدم مساوات کی لیب سے شائع کردہ "عالمی عدم مساوات کی رپورٹ 2022" میں بیان کیا گیا ہے کہ " دنیا کی کل عالمی دولت میں نچلے 50% لوگوں کا حصہ 2% ہے---جبکہ اُوپر کے 10% کا حصہ 76% ہے"۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ "1995 سے 2021 کے عرصہ میں، اوپر کے 1% نے عالمی دولت میں اضافے کا 38% اکٹھا کر لیا جبکہ نچلے 50% لوگ پریشان کن حد تک صرف 2% ہی لے پائے۔ اس عرصہ کے دوران، عالمی سطح پر اوپر کے 0.1% امیر ترین لوگوں کا عالمی دولت کی مالکیت میں حصہ 7% سے بڑھ کر 11% ہو گیا اور عالمی ارب پتی لوگوں کی دولت میں بے تحاشا اضافہ ہوا"۔ مزید برآں، 2020 میں ارب پتی لوگوں کی دولت میں ریکارڈ اضافہ دیکھا گیا جبکہ 10 کروڑ افراد انتہائی غربت میں ڈُوب گئے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت دولت کا ارتکاز حادثاتی نہیں بلکہ یہ اس کی فطرتی ساخت سے ہی ہے۔ سرمایہ داریت کے قوانین خود ہی دولت کے ارتکاز کو یقینی بناتے ہیں۔ سود قرض دہندگان کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو یقینی بناتا ہے، جب کہ قرضہ داروں پر اضافی بوجھ ڈالتا ہے۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ نے سود کی دولت کے ارتکاز کے اثرات کو کئی گنا بڑھا دیا۔ اسٹاک شیئر کمپنی کے ڈھانچے اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں ہی دولت کے ارتکاز کو یقینی بناتے ہیں، کیونکہ وہ کثیر سرمایہ کاری کی صنعتوں، جیسے مواصلات، گاڑیوں کی تیاری اور نقل و حمل کا کنٹرول سنبھال لیتے ہیں۔ توانائی اور معدنیات کی نجکاری اس کے نجی مالکان میں دولت کے ارتکاز کو یقینی بناتی ہے، جب کہ عوام سستی سہولیات سے محروم رہ جاتی ہے۔ امیر اور غریب پر یکساں نوعیت کے ٹیکس امیروں کے مقابلے میں غریبوں پر ایک بڑا متناسب بوجھ ہے، کیونکہ یہ سب لوگوں پر مالی قابلیت، غربت یا قرض پر غور کیے بغیر لاگو ہوتا ہے۔ کاغذی کرنسی سرکاری

قرضوں کی مالی اعانت کے لیے نوٹ چھاپنے کی اجازت دیتی ہے ،تاکہ امیروں کو بیل آؤٹ فراہم کیا جائے،اور اس کی قیمت غریبوں کی جیبوں میں موجود کرنسی کی قدر کو کم کرنے کی شکل میں دینی پڑتی ہے۔

صرف اسلام ہی اجیرن کر دینے والے دولت کے ارتکاز کا خاتمہ کر سکتا ہے۔اسلام سُود سے سراسر منع کرتا ہے جبکہ بیت المال کو وہ مال قرض پر دینے کی اجازت نہیں جو خود اس کے پاس موجود نہیں۔اسلامی کمپنیوں کی ساخت فطری طور پر اس سرمائے کی مقدار کو محدود کر دیتے ہیں جو کہ افراد جمع کر سکتے ہیں۔ جس سے معیشت کے کثیر آمدنی پیدا کرنے والے شعبے، جن میں کثیر سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے،ان شعبوں پر ریاست حاوی ہوتی ہے۔اسلام توانائی اور معدنیات کی نجی یا ریاستی، دونوں طرح کی ملکیت کو روکتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ان سے حاصل ہونے والے محاصل اور آمدنی، ریاست کی نگرانی میں عوام کی ضروریات پر خرچ ہوں اور اسلام غریب اور مقروض پر ٹیکس عائد کرنے سے منع کرتا ہے، انہیں زکوٰۃ اور دیگر محصولات سے ان کا حق دیتا ہے، جب کہ مالی طور پر استطاعت رکھنے والوں پر ٹیکس لگاتا ہے، جیسے کہ زرعی زمین کے مالکان سے خراج اور تاجروں اور صنعت کاروں کے تجارتی مال پر زکوٰۃ۔ اور اسلام سونے اور چاندی کی مضبوط بنیادوں پر اپنی کرنسی قائم کرتا ہے جو کرنسی کی مستحکم قدر کو یقینی بناتے ہوئے،ذمہ دارانہ حکومتی اخراجات اور محصولات کی وصولی کو یقینی بناتی ہے اور عمومی مہنگائی کی لعنت کو ختم کرتی ہے۔

یہ سرمایہ دارانہ نظام یوں ہی اپنے خاتمے کے گرد لنگڑاتا رہے گا، مگر ختم نہیں ہو گا، یہاں تک کہ امت اٹھ کھڑی ہو اور اسے خلافت کے ذریعے زمیں بوس کر دے۔ بے شک صرف نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافت ہی دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنائے گی، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، الغنی، الوہاب، الرزاق چاہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے،

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ

"تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی نہ گردش کرتی رہے" (الحشر 59:7)

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(222-223)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (222) نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (223)﴾

"اور آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے وہ نجاست ہے، پس حیض میں عورتوں سے علیحٰدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو لیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(222) تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ اور اپنے لیے آئندہ کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم ضرور اس سے ملو گے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو"(223)

جب اللہ سبحانہ نے مسلمان مردوں کے لیے کافرہ عورتوں سے نکاح کا حرام ہونا بیان فرمادیا ماسوائے اہلِ کتاب کی پاکدامن عورتوں کے، اور یہ بیان فرمایا کہ مؤمن عورتوں کا بلا استثناء کسی بھی قسم کے کافر مرد سے نکاح حرام ہے، تو اب مذکورہ دو آیاتِ کریمہ میں ازدواجی زندگی سے متعلق چند احکامات کا ذکر ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر ایک پاکیزہ، عمدہ اور ہم آہنگی سے بھرپور زندگی نصیب ہوتی ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مندرجہ ذیل اُمور بیان فرمائے ہیں:

1- حیض (ایامِ مخصوصہ) کے دوران اپنی شریک حیات کے ساتھ ہمبستری کی حرمت، اس حرمت کا تعلق مقامِ حیض یعنی فرج کے ساتھ ہے اور یہ حرمت اس وقت تک ہے جب تک خون بند نہ ہو جائے۔

2- خون بند ہونے کے بعد شوہر کی اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کی اجازت، اور خون بند ہونے کے بعد اور غسل کے بعد ہمبستری کا مندوب ہونا۔

3- کھیتی یعنی فرج کے مقام کے علاوہ عورت کے ساتھ کسی اور مقام میں جماع کرنے کی حرمت، چنانچہ پیچھے (پاخانے کی جگہ) کی طرف سے بیوی سے ہمبستری کرنا حرام ہے، بلکہ ہمبستری کا مقصد صرف کھیتی یعنی نسل کے مقام سے پورا کیا جائے۔

جہاں تک ان دو آیتوں سے استدلال کرنے کی وجہ ہے تو وہ اس طرح ہے:

1. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**﴾ **"اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو لیں"**۔ **الْمَحِيضِ** سے مراد حیض کا مقام ہے یعنی فرج۔ یہ تفسیر مصدر کے ساتھ اس کی تفسیر سے راجح ہے، کیونکہ سوال عورتوں سے ہمبستری کے حوالے سے کیا گیا تھا، تو اللہ سبحانہ نے حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہنے کا حکم دیا، اس کے سوا باقی حالات میں ان سے الگ رہنا مراد نہیں۔

تو جب اس لفظ **الْمَحِيضِ** کی تفسیر مصدر سے کی جائے، تو سوال حیض کے خون کے بہنے سے متعلق ہوگا، اور اگر یہی مصدری معنی ملحوظ رکھ کر سوال و جواب ایسے ہی کیے جائیں تو پھر معنی یوں بنتے ہیں: وہ آپ سے خون بہنے (عورت کی ماہواری) کے دنوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، تو جواب ہوگا: ان دنوں میں عورتوں سے الگ ہو کر رہو۔ آیت کریمہ کے اس مقصود معنی کی دلیل اس کا واقعہ نزول ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں جماع کے علاوہ، باقی کاموں سے الگ نہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر سوال حیض والی جگہ سے متعلق ہو تو جواب ہوگا: ان سے الگ رہو، جس کا مقصود معنی یہ ہوگا کہ، قطع نظر باقی امور کے، خون والی جگہ سے دور رہا جائے۔

یہ جواب آیت کے مدلول اور اس کے سببِ نزول کے موافق ہوگا۔ انسؓ فرماتے ہیں: أن اليهود كانت إذا حاضت المرأة عندهم لم يؤاكلوها ولم يشاربوها ولم يساكنوها في البيوت

وأخرجوها من البيت، فسأل أصحاب رسول اللهﷺ النبيﷺ فأنزل الله عز وجل-"

یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ جب ان کے ہاں عورتوں کو حیض آجاتا تو اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے تھے، ایک ساتھ رہائش چھوڑ دیتے تھے، ان کو کمرے سے باہر نکال دیتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اس بارے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ﴿**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**﴾ **"اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو لیں"**۔۔۔ آیت کے آخر تک۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«اصنعوا كل شيء إلا النكاح»** **"ہر کام کرو سوائے (اپنی بیویوں کے ساتھ) مباشرت کے"**۔ یہود کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا "اس آدمی نے ہماری کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جس میں اس نے ہماری مخالفت نہ کی ہو، اس کے بعد اُسید بن حُضَیرؓ اور عُباد بن بِشرؓ آئے اور کہا: یارسول اللہ! یہود نے ایسا ایسا کہا ہے، تو ہم اپنی عورتوں سے جماع نہ کریں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہوا، اتنا کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر خفا ہو گئے ہیں، پھر وہ نکل گئے، ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس دودھ کا ہدیہ آرہا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے بلا بھیجا اور ان کو بھی اس میں سے پلایا، پھر وہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ ان سے ناراض نہیں" (مسلم: 455، نسائی: 286، ترمذی: 2903)۔

پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿**فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ**﴾ **"پس اپنی بیویوں سے حیض میں دور رہو"**، اس سے فرج مراد ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **«اصنعوا كل شيء إلا النكاح»** **"سب کچھ کرو، سوائے ہمبستری کرنے کے"**۔

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ ہمبستری کرنا حرام ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں دورانِ حیض یا ماہواری کے دنوں میں جماع کرنے کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ یہ طلبِ ترک ہے، یعنی چھوڑنے کا مطالبہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ﴿**قُلْ هُوَ أَذًى**﴾ **"کہہ دو (اے محمد ﷺ) کہ یہ حرام ہے"**، اس کے معنی ہیں کہ یہ گندی جگہ ہے، اور جماع سے روکنے کا مقصد اس قول میں بتا کر مقرر کیا گیا ہے، کہ ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى**

يَطْهُرْنَ﴾ "ان کے قریب مت جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہوں"۔اس سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ گندگی کی مدت ختم ہو جانے پر جماع کی ممنوعیت بھی موقوف ہو جاتی ہے، چنانچہ یہ وصف مفہم ہے، جو جزم کا فائدہ دیتا ہے، کیونکہ اگر جزم کا فائدہ نہ دے تو شوہر کے لیے حیض کے زمانے میں جماع کرنا جائز ہوگا، یوں جو غایت ذکر کی گئی ہے، اس کا پھر کوئی مطلب نہیں بنتا، اور جب جماع کی ممنوعیت انتہاء سمیت اسی وصف پر مرتب سمجھی جائے تب یہ جزم پر دلالت کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ طلب جازم ثابت ہوگی، یعنی یہ کہ دوران حیض جماع کرنا حرام ہے۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ﴾ "وہ آپ سے محیض کے متعلق پوچھتے ہیں" یعنی حیض والی جگہ کے بارے میں۔

﴿قُلْ هُوَ أَذًى﴾ "کہیے کہ یہ نجس ہے" یعنی آپ کہہ دیجیے کہ حیض کے دوران وہ جگہ گندی ہوتی ہے۔

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ "حیض والی عورتوں سے بچو" یعنی عورتوں کی حیض والی جگہ سے بچے رہو۔

﴿فَاعْتَزِلُوا﴾ "دور رہو" یعنی جماع نہ کرو۔

اس طرح اس معاملے میں جو امر حرام ہے وہ جماع ہے، اس کے سوا زندگی کے باقی معاملات میں شراکت میں کوئی حرج نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كنت أَتَعَرَّقُ العَرْق وأنا حائض فأعطيه للنبي فيضع فمه في الموضع الذي وضعت فمي فيه وأشرب الشراب فأناوله فيضع فمه في الموضع الذي كنت أشرب منه "میں ہڈی سے گوشت کھالیتی، جبکہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی، پھر وہ ہڈی حضور ﷺ کو دیدیتی، آپ ﷺ اسی جگہ سے کھانے لگتے اور وہیں اپنا منہ مبارک رکھتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا، میں پانی پی لیتی تھی، پھر آپ ﷺ کو دیتی، آپ ﷺ وہیں اپنا منہ مبارک رکھ کر پینے لگتے جہاں میں نے اپنا منہ لگایا ہوتا تھا" (مسلم: 453، نسائی: 69)۔ یعنی رسول ﷺ اس ہڈی کا باقی سارا گوشت تناول فرمالیتے جس سے

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھایا ہوا ہوتا تھا جبکہ وہ حیض یا ماہواری کی حالت میں ہوتی تھیں، اس طرح وہ برتن سے پانی پی لیتی تھیں پھر آپ ﷺ کو دیدیتی تھیں، پھر آپ ﷺ اس کو اسی برتن سے پی لیتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض والی عورت اور اس کے شوہر کا باہمی بود و باش میں کوئی حرج نہیں، صرف یہ کہ وہ جماع نہیں کریں گے۔

یہ تمام باتیں خون ختم ہونے سے قبل کی ہیں۔ جب خون آنا بند ہو جائے تو حرمت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرمت کے لیے ایک انتہاء بھی مقرر کی ہے یعنی ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ**﴾ **"ان کے قریب مت جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں"**، لفظ ﴿**يَطْهُرْنَ**﴾ **"وہ پاک ہوں"** کا مطلب ہے کہ ان کا خون آنا بند ہو جائے۔ لغت کے اعتبار سے طہارت کی نسبت جب عورت کی طرف کی جائے تو اس سے لغوی طور پر غسل مراد نہیں ہوتا ہے، بلکہ لغت میں اس کے معنی خون رک جانا اور بند ہو جانا ہے، کیونکہ جب طَهُرَتْ بولا جائے جس کے معنی ہیں عورت پاک ہو گئی، یہ طمثت کی ضد ہے جو بمعنی ماہواری آنے کے ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے، امراۃ طاهرٌ، پاک عورت، یا نساء طاهرات، پاک عورتیں: جب یہ کہا جائے، طَهُرْن من الحيض، "وہ حیض سے پاک ہو گئیں"، اس کے معنی ہیں حیض سے پاک ہونا یعنی ان کا خون آنا بند ہو گیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ آیت دو متواتر قرائتوں کے ساتھ پڑھی گئی ہے، یعنی يَطْهُرْنَ، طاء کی تخفیف یا سکون کے ساتھ، اور يطّهرن، طاء کی شد کے ساتھ، تو یہ صحیح ہے۔ يَطْهُرْنَ، تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی ہوں گے، کہ صرف خون آنا بند ہو جائے۔ یہ دوسرے قراءت پر محکم ہے، یعنی يطّهرن، شد والی قرائت پر، جس کے معنی خون کی بندش اور اس کے بعد غسل کرنے کے ہیں۔ یہ متشابہ قرائت میں سے ہے، چونکہ یہ دونوں قرائتیں متواتر ہیں، اور محکم کو متشابہ پر فوقیت ہے، چنانچہ دونوں قرائتوں کا معنی متعین ہو کر انقطاعِ دم یعنی بندشِ خون کے ہوتے ہیں۔

یعنی حرمت کی انتہاء بندش خون پر ہوتی ہے، یہی انتہاء کا مفہوم ہے، ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ**﴾ **"اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہوں"**، تو اس کا مطلب ہے، 'ان کے ساتھ جماع نہ کرو یہاں تک کہ خون آنا بند ہو جائے'، معلوم ہوا کہ حرمت کی انتہاء خون کی بندش پر ہو جاتی ہے۔

تو جب کوئی شخص عورت کا خون بند ہونے سے پہلے ہمبستری کرے، تو اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا ،اسلامی ریاست میں اگر اس کا معاملہ عدالت میں چلا جائے تو اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی، قاضی اپنے اندازہ سے اتنی سزا مقرر کرے گا جس سے اسے سبق حاصل ہو۔ قاضی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اسے صدقہ دینے کا حکم کرے، جیسا کہ امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے: **أن من أتى امرأته وهي حائض يتصدق بدينار إن كان دما أحمر أو نصف دينار إن كان دما أصفر** "جو کوئی اپنی عورت کے پاس حالت حیض میں آئے یعنی اس سے جماع کرے، تو وہ ایک دینار صدقہ دے، بشرطیکہ خون کا رنگ بالکل سرخ ہو یا نصف دینار دے، اگر خون کا رنگ پیلا ہوا ہو" (احمد: 1928، درِ منثور: 2/424)۔ قاضی کے لیے جائز ہے کہ اسے کوئی اور سزا دے جس سے فاعل کو سبق حاصل ہو، یہ تب ہے جب اس کی اطلاع عدالت کو ہو جائے، ورنہ یہ کام کرنے والا توبہ اور استغفار کرے گا۔ اُمید ہے کہ اگر مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے گا اور توبہ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کردے گا اور اس کی توبہ کو قبول کرلے گا۔ ﴿**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ**﴾ "**بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں سے محبت کرتا ہے**" (البقرۃ: 222)۔

2- بلاشبہ یہ آیت حیض گزر جانے کے بعد عورتوں کے ساتھ دو حالتوں میں مباشرت کے جواز کا فائدہ دیتی ہے؛

أ- جب خون آنا بند ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**﴾ "**اور ان کے قریب مت جاؤ حتی کہ وہ پاک ہو جائیں**"۔ اس آیت کا مفہوم حیض کا خون بند ہونے کے بعد مباشرت کا حلال ہونا ہے۔

ب- بندش خون ہونے کے بعد اور غسل کر لینے کے بعد، ﴿**فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ**﴾ "**اور جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ**"، لہذا یہ دونوں صورتیں، یعنی غسل کے بعد اور خون بند ہو جانے کے بعد، درست ہیں۔ پہلے کے مفہوم اور دوسرے کے منطوق کے درمیان کوئی تناقض یا تضاد نہیں۔

صرف اتنا فرق ہے کہ اللہ سبحانہ کے قول، ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**﴾ "**اور ان کے قریب مت جاؤ حتی کہ وہ پاک ہو جائیں**" نے مباشرت کی حرمت کے لیے ایک غایت متعین کر دی، یعنی خون کی بندش، تو جب یہ

غایت پائی جائے تو عورت سے مباشرت اسی طرح حلال ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی، یعنی مانع کی موجودگی سے قبل، جہاں مانع سے مراد حیض ہے۔ پس خون بند ہونے کے بعد عورت کے ساتھ مباشرت کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے قول، ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ﴾ **"جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ"**، کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے خون بند ہونے اور غسل کرنے بعد اس کے ساتھ ہمبستری مندوب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اس ارشاد ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ **"بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے"**، میں پاک صاف رہنے والوں کی مدح کی گئی ہے، اس میں اس شوہر کی مدح پر دلالت کا اشارہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس ہمبستری کرنے صرف اس وقت آتا ہے جب عورت کا خون بند ہو جائے اور وہ غسل بھی کر لے۔ چونکہ یہ مدح جزم کے قرینے کے بغیر ہے، اس لیے مندوب ہے، جیسا کہ اصولِ فقہ میں مذکور ہے۔

ایک بات جو قابل ذکر ہے اور جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ مندوب، مباح کے علاوہ ہوتا ہے، کیونکہ مندوب وہ ہوتا ہے جس میں اجر اور ثواب ہو، تو جو شخص بیوی کا خون بند ہونے اور اس کے غسل کر لینے کے بعد ہمبستری کرے گا، اس کا یہ عمل مندوب ہو گا، جبکہ خون بند ہونے کے بعد اور اس کے غسل کرنے سے پہلے ہمبستری صرف مباح ہے، اس صورت میں اس کو اجر نہیں ملے گا۔

3- عورت کے ساتھ کھیتی کے مقام، یعنی بچہ پیدا کرنے کی جگہ کے علاوہ میں ہمبستری کرنا حرام ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں: ﴿فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ **"ان کے پاس اسی طریقے سے جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے"**۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں: اس سے مراد فرج میں جماع کرنا ہے اور اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کی طرف تجاوز نہ کرو۔ دوسری آیت میں اللہ سبحانہ نے اس کو بیان فرمایا ہے: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ **"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ"**، یعنی وہ تمہاری لیے کھیتیاں ہیں، یعنی کاشت کی جگہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمبستری کرنے کے لیے کھیتی والی جگہ یعنی نسل پیدا کرنے کے مقام کو متعین کر دیا۔

﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ "پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ"، یعنی جیسے تم چاہو، وہ لیٹ کر، یا کروٹ کے بل، پیٹھ کے بل ہو یا آگے کی جانب سے، لیکن جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا کہ جگہ کھیتی والی یعنی نسل پیدا کرنے والی ہی ہو گی، یعنی عورت کی اندام نہانی۔

اسی وجہ سے آدمی کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی سے پیچھے کی جگہ میں ہمبستری کرے، اس کو لوطیتِ صغریٰ یعنی کم درجے والی لواطت کہا گیا ہے، اس کام کے کرنے والے کو سخت تعزیری سزا دی جائے گی، جس کا اندازہ قاضی لگائے گا، جس سے فاعل بھی باز آئے، اور اس کے علاوہ باقیوں کے لیے بھی عبرت و نصیحت کا سامان ہو۔ یہ تب ہے جب اس کا معاملہ عدالت تک پہنچ جائے، ورنہ اس کو قیامت کے روز سزا ملے گی، سوائے یہ کہ وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے اور توبہ کرے، اللہ تو غفور و رحیم ذات ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شدید العقاب بھی ہے، یعنی سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ مذکورہ آیت سے پیچھے والی جگہ میں ہمبستری کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت نے کھیتی والی جگہ کے علاوہ میں ہمبستری کرنے سے منع کیا ہے، یہ نہی اس آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ "پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ" کے مفہوم میں موجود ہے۔ اس میں جزم کا قرینہ بھی ہے، یعنی اس بات پر بھی قرینہ موجود ہے کہ یہ نہی جزمی اور حتمی ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ﴾ "اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم ضرور اس سے ملو گے"، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافرمانی کرنے والوں کے لیے ایک وعید ہے، کہ اسے جان لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ضرور کھڑا کیا جائے گا۔ یہ دھمکی ہے، سو تقویٰ کا امر اور سامنا کرنے کی دھمکی اور وعید کا مطلب اللہ کی طرف سے عقوبت کی دھمکی ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مقام زراعت یعنی کھیتی کے علاوہ دیگر جگہوں میں ہمبستری کرنا ممنوع ہے، اور یہ ممانعت اور نہی جازم ہونے کی وجہ سے یہ عمل حرام ہے۔

اس حوالے سے صحیح احادیث بھی آئی ہیں:

بخاری اور دیگر محدثین نے جابرؓ سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ یہود کا خیال تھا کہ "جو کوئی پیچھے کی طرف سے فرج میں ہمبستری کرے اور پھر اس سے حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا"۔ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ **" تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ"۔**

ابن ابی حاتم نے. جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں، "یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا: جو کوئی اپنی عورت کے ساتھ پیچھے کی طرف سے ہو کر ہمبستری کرے گا، اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوگا"، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل کی ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ **" تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ"۔** اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«مقبلة ومدبرة إن كان ذلك في الفرج» "کوئی فرق نہیں کہ پیٹھ کے بل ہو یا سامنے سے جب تک فرج ہی کے ذریعے ہے"** (درِ منثور: 2/627، الکامل دعفاع الرجال: 7/13، جس کی تاریخ بغداد: 12/484 نے تصدیق کی)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«استحيوا إن الله لا يستحي من الحق، لا يحلّ أن تأتوا النساء في حشوشهن» "حیاء کرو، اللہ تعالیٰ حق بات بتانے سے نہیں شرماتے، یہ حلال نہیں کہ تم عورتوں کے پیچھے کے راستے میں ہمبستری کرو"** (درِ منثور: 2/632، دار قطنی: 3/288)۔

امام احمد نے عمرو بن شعیب سے، عمرو نے اپنے والد شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الذي يأتي امرأته في دبرها هي اللوطية الصغرى» "جو شخص اپنی بیوی کے پیچھے والے راستے میں ہمبستری کرتا ہے، تو اس کا یہ عمل دوسرے درجے کی لواطت ہے"** (احمد: 1/187، درِ منثور: 2/634)۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس بیان کے ساتھ اس آیت کا اختتام کیا ہے کہ معاشرت اور مباشرت کے آغاز میں وہ کام کریں جو ان کی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں، یعنی نیک عمل، اچھا گذارا اور جماع کے وقت بسم اللہ کہنا اور اس کے علاوہ وہ سب چیزیں جو الفت و محبت اور اچھی صحبت کے قیام میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ

اپنے تمام افعال میں اللہ سے ڈرا کریں،اور یہ کہ انہیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان کی ملاقات اللہ کے ساتھ ضرور ہو گی، پھر وہ ان کو ہر گناہ و معصیت اور ہر غلطی پر سزا دے گا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو بشارت دی ہیں جو اس کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم کیے ہوئے ہوتے ہیں، جو سچے اور مخلص ہوں، یہ بشارت دی ہے کہ ان کے لیے بڑی نعمتیں رکھی ہیں، اور اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ **"اور مومنوں کو بشارت دے دو"**۔

فہرست

ریاست کی طرف سے صحت کی اعلیٰ درجے کی سہولیات کی مفت فراہمی کا اسلامی فرض

مصعب عمیر-پاکستان

تعارف: بیماری کا علاج تلاش کرنا

گزشتہ تین دہائیوں میں اسلام کے عظیم دین میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ ساتھ، صحت کی دیکھ بھال سے متعلق اسلام کے رہنما اصولوں میں دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ اسلام کے دیگر موضوعات جیسے تعلیم، مالیات، اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد میں مسلمانوں کی دلچسپی میں ہونے والے اضافے کے علاوہ ہے۔ اللہ کے اذن سے قائم ہونے والی خلافت کے دَور میں صحت کی دیکھ بھال میں مسلمانوں کی دلچسپی کوئی نئی بات نہیں ہو گی بلکہ یہ اپنی پرانی روایات کی طرف رجوع کرنا ہو گا؛ طب اور صحت کی دیکھ بھال کے شعبے میں سینکڑوں سال کی بے پناہ اور شاندار کارناموں پر مبنی اسلامی تہذیب کی کامیابیوں کو ایک بار پھر جاننے کا عمل۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم صحت کے شعبوں میں اسلام کی ہدایت و رہنمائی کا تفصیلی جائزہ لیں۔

سنتِ مبارکہ ﷺ یہ حکم دیتی ہے کہ ریاست صحت کی دیکھ بھال کی سرپرستی کرے

اسلام صحت کی نجی سہولیات کی اجازت دیتے کے ساتھ ساتھ ریاست کو دوا اور جراحت (سرجری) دونوں کی سرپرستی کا پابند بناتا ہے۔ ریاست کی طرف سے صحت کی سہولیات خلافت کے تمام شہریوں، مسلم اور غیر مسلم، کیلئے مفت مہیا کی جانی چاہیے۔ صحت کی یہ سہولیات سب کی پہنچ میں ہوں، فوری اور مستقل میسر ہوں اور اعلیٰ درجے کی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ایک ڈاکٹر بطور تحفہ دیا گیا جو آپ ﷺ نے اپنے لیے مخصوص نہیں کیا اور اسے تمام مسلمانوں کیلئے میسر کر دیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صحت کی سہولیات کی دستیابی لوگوں کے مفادات میں سے ایک مفاد ہے۔ ہمیں شدید زخمیوں کی سرجری کے حوالے سے بھی اسی طرح کے ثبوت (دلیل) ملتے ہیں۔ عائشہؓ سے ایک صحیح روایت ہے کہ، **أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْعَرِقَةِ**

رَمَاهُ فِي الأَكْحَلِ فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و سلم خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ يَعُودُهُ مِنْ قَرِيبٍ "سعد بن معاذؓ خندق کی لڑائی کے دن زخمی ہوگئے تھے، ایک قریشی شخص ابنِ عریقہ کا تیر اُن کے بازو کی درمیانی شریان میں لگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی دیکھ بھال کے لیے مسجد میں خیمہ لگایا" (بخاری و مسلم)۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی سعد کے لیے تشویش، جب وہ بیمار تھے اور اُن کا علاج مسجد کی حدود میں کرانا، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جراحی (سرجری) مسلمانوں کے مفادات میں سے ایک مفاد ہے، اور ریاست اس کی ذمہ دار ہے۔ جراحی کے متحرک یونٹس رسول اللہ ﷺ کی افواج کا لازمی حصہ ہوتے تھے جن کا بنیادی کام ہڈیوں کو جوڑنا، زخم کو بند کرنے کے لیے جلد کو جلانا اور حجامہ ہوتا تھا اور یہ سلسلہ اسلامی فتوحات کے ذریعے پھیلتا گیا۔

خلفاء راشدین نے سنتِ مبارکہ پر عمل کیا اور صحت کی دیکھ بھال کی سرکاری سرپرستی کو یقینی بنایا۔ حاکم نے مستدرک میں زید بن اسلام سے، انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، جنھوں نے کہا، مرضت في زمان عمر بن الخطاب مرضاً شديداً فدعا لي عمر طبيباً فحماني حتى كنت أمص النواة من شدة الحمية" میں عمر بن خطابؓ کے زمانے میں شدید بیمار ہوا، تو عمرؓ نے میرے لیے ایک معالج کو بلایا۔ اس نے مجھے اس حد تک گرمائش دلائی کہ میں گرمی کی شدت کی وجہ سے کھجوروں کی گٹھلیوں کو چوسنے لگا"۔ خلافت کے بعد والے ادوار میں، ہسپتالوں کو خیراتی مذہبی اوقاف کے ذریعے پیسے دیے جاتے تھے، جسے وقف کہا جاتا ہے، اگرچہ سرکاری خزانے سے بھی پیسہ کچھ ہسپتالوں کی دیکھ بھال کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ایک ہسپتال کو بیمارستان کہا جاتا تھا، جو فارسی لفظ 'بیمار' اور 'ستان، یعنی جگہ سے مل کر بنا ہے۔ اس کے عملے میں ماہرِ ادویات (فارماسسٹ) اور معالجین کا ایک پورا گروپ شامل ہوتا تھا، جن کے فرائض میں مقررہ اوقات میں حاضری کو یقینی بنانا اور مریضوں کو دیکھنے کے لیے چکر لگانا، مریضوں اور ان کے مرض کی تاریخ ریکارڈ کرنا، طبّی معائنہ کرنا اور ادویات تجویز کرنا شامل تھا۔

پہلا منظم ہسپتال قاہرہ میں 872 اور 874 عیسوی کے درمیان بنایا گیا تھا۔ 'احمد بن طولون ہسپتال' میں تمام مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا اور انہیں مفت ادویات فراہم کی جاتی تھیں۔ اس کا نام صوبے کے والی (گورنر) کے نام پر رکھا گیا تھا جسے خلیفہ نے صوبے کے حکمران کے طور پر مقرر کیا تھا۔ مرد و خواتین کے لیے علیحدہ علیحدہ غسل خانے،

ایک شاندار لائبریری اور ذہنی امراض کے شعبہ کا حامل یہ ہسپتال اس وقت کے معیار کے لحاظ سے ایک انتہائی جدید ادارہ تھا۔ مریض اپنے کپڑے اور اپنا قیمتی سامان ہسپتال کے حکام کے پاس محفوظ رکھنے کے لیے جمع کروایا کرتے تاکہ وہ ہسپتال کا خصوصی لباس پہن سکیں اور انہیں الگ الگ بستر فراہم کیے جاتے تھے۔

نویں صدی کا اَلْقَیْرَوَان ہسپتال بھی اس وقت کا ایک جدید ترین ادارہ تھا۔ اس کا نام مراکش (مغرب) میں قیروان کی ولایہ کے دارالحکومت کے نام پر رکھا گیا تھا جو کہ خلافت کی انتظامی اکائی تھی۔ اس میں اچھے منظم ہال تھے جن میں آنے والوں کے لیے انتظار گاہ، خواتین مریضوں کے لیے خواتین نرسیں، مریضوں کے نماز پڑھنے اور مطالعے کے لیے مسجد، باقاعدہ معالجین اور فقہ البدن کی ٹیمیں شامل تھیں۔ مؤخر الذکر فقہاء کا ایک گروہ تھا جو طبیب بھی تھے اور جن کی طبّی خدمات میں حجامہ، ہڈیوں کو جوڑنا اور زخموں کو بند کرنے اور انفیکشن سے بچانے کے لیے انہیں گرم لوہے سے داغنا شامل تھا۔

العضدی ہسپتال 981 عیسوی میں بغداد کے اس وقت کے حکمران عضود الدولہ نے قائم کیا تھا اور اس ہسپتال کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اسے مشہور منتظم ابو بکر الرازی چلایا کرتے تھے۔ قاہرہ میں 1284 عیسوی میں المنصوری ہسپتال چار داخلی دروازوں کے ساتھ بنایا گیا تھا، ہر ایک کے مرکز میں ایک فوارہ تھا۔ مملوک سلطان قلاوون نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس میں معالجین کا مناسب عملہ موجود ہو اور بیماروں کی دیکھ بھال کے لیے درکار ضروری لوازمات سے مکمل طور پر لیس ہو۔ اس نے مرد اور خواتین نرسوں کو مریضوں کی خدمت کے لیے مقرر کیا جنہیں الگ الگ وارڈز میں رکھا گیا تھا۔ بستروں پر گدے تھے اور مخصوص وارڈز بنائے گئے تھے۔ ہسپتال کے تمام حصوں میں پانی فراہم کیا گیا تھا۔

ریاستِ خلافت نے عدلیہ کے ذریعے ہسپتالوں کے چلانے کی کڑی نگرانی کی۔ صحت کی دیکھ بھال میں غفلت کو نجی مقدمہ بازی پر نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اُن تنازعات کو حل کرنے کی ذمہ داری عدلیہ کی ہے جو معاشرے کے حقوق کو خطرے میں ڈالتے ہیں، جہاں جج کو محتسب کہا جاتا ہے، اور اس کے لیے درج ذیل ثبوت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ "وہ جو دھوکہ دیتا ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں"** (احمد اور ابنِ ماجہ نے ابو ہریرہؓ

سے روایت کیا)۔ آپ ﷺ دھوکہ دینے والوں کو آڑے ہاتھوں لیتے اور انہیں سزا دیتے۔ صحت کی دیکھ بھال کے حوالے سے قاضی محتسب کی ذمہ داریوں میں یہ یقین دہانی کرنا شامل ہے کہ ادویات کی مقدار میں صحیح وزن اور پیمانوں کو استعمال کیا جائے، مناسب حفظانِ صحت پر عمل کرایا جائے، عمارتوں میں صفائی کو یقینی بنایا جائے، کمزور عمارتوں کو ٹھیک کرایا جائے اور صاف پانی اور دیگر متعلقہ امور کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

نبوی روایت کے مطابق تعلیم اور تربیت

اسلامی معالج یا سرجن کی تعلیم کے دو پہلو ہیں۔ مریضوں کا علاج ایک عبادت ہے جس کے لیے اسلامی شرعی احکامات ہیں اور انہیں میڈیکل کالج میں پڑھایا جائے۔ اس کے علاوہ، طب تکنیکی مہارت کا ایک موضوع ہے جس میں بنیادی طبّی علوم کے ساتھ ساتھ طبّی ادویات بھی شامل ہیں۔

اپنے کام سے متعلق قانونی احکامات کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا مسلمان معالج پر لازم ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جسے ضرورت کے مطابق اسلام سے حاصل کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر سر پر چوٹ لگنے کے معاملے میں سر پر غسل سے رخصت (رُخْصَةً) کے معاملے کو دیکھیں، ابو داؤد نے روایت کیا کہ جابرؓ نے فرمایا، **رَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلاً مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ فَقَالُوا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ " قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَلاَّ سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ " . أَوْ " يَعْصِبَ " . شَكَّ مُوسَى " عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ** "ہم سفر پر نکلے۔ ہمارے ایک ساتھی کو پتھر سے چوٹ لگ گئی جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ پھر انہیں سوتے ہوئے احتلام ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو ایسی کوئی رخصت کہ میں (نہانے کی جگہ) تیمم کر لوں؟ ساتھیوں نے کہا: ہم ایسی کوئی رخصت نہیں جانتے جبکہ تم پانی استعمال کرنے کی قدرت رکھتے ہو۔ تو انہوں نے غسل کیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے انہیں اس واقع سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے قتل کر دیا، اللہ انہیں ہلاک کرے! جب وہ نہیں

جانتے تھے تو کیا وہ پوچھ نہیں سکتے تھے۔ لاعلمی کا علاج پوچھنا ہے۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ تیمم کرلیتا اور کچھ قطرے پانی کے ڈال لیتا یا زخم پر پٹی باندھ لیتا (راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ) پھر وہ اس پر مسح کرلیتا اور باقی جسم کو دھولیتا"۔ اسلامی فقہ میں، تیمم کے لیے رخصت میں سے ایک صورت زخم کی موجودگی ہے جو بہتے ہوئے پانی سے دوبارہ کھل سکتا ہے، جس سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مریضوں کی دیکھ بھال سے متعلق بہت سے اسلامی احکامات ہیں جیسے طبّی معائنے کیلئے ستر کو دیکھنے کی اجازت، مرد ڈاکٹر کے ساتھ عورت مریضہ کی اکیلے میں موجودگی کی ممانعت اور ادویات میں شراب (خمر) کے استعمال کی حوصلہ شکنی۔ اس طرح، خلافت میں طبّی تعلیم اور تربیت کے ایک حصے کے طور پر، معالجین اور سرجن متعلقہ فقہ میں تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔

یہ مخصوص فقہ علم کے اس پہلو سے متعلق تھا جس کو دین نے حاصل کرنا لازم قرار دیا ہے۔ جہاں تک تکنیکی مہارت کا تعلق ہے، مسلم معالجین اور سرجنوں نے اسلامی ریاست کے ہسپتالوں کے متحرک ماحول میں تعلیم اور تربیت حاصل کی۔ مریض کا علاج کرنا، تکلیف کو دور کرنا اور راحت دینا بڑے ثواب کا باعث ہیں۔ اپنے فرائض کی تکمیل کے لیے، مسلم ڈاکٹروں پر لازم ہے کہ وہ سببیہ (نتائج کے مادی اسباب سے تعلق) کو ذہن میں رکھیں، اسباب اور ان کے اثرات کا بغور جائزہ لیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے تکنیکی مہارت سے متعلق تمام معاملات میں کیا۔ اس طرح، طب کے شعبے میں، مسلم ڈاکٹروں نے غذائی کنٹرول، غذائیت کے ذریعے علاج کے ساتھ ساتھ جڑی بوٹیوں اور معدنیات کے ذریعے علاج کو استعمال کیا۔ انہوں نے طبّی دیکھ بھال کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے مریضوں اور ان کے امراض کا جائزہ لیا اور ان کا تجزیہ کیا۔ یہ ایک مکمل سائنسی روایت تھی جو صدیوں پر محیط تھی۔

منصوری ہسپتال کی عمارت کے ایک حصے میں چیف معالج کو پڑھانے اور خطاب کیلئے ایک کمرہ دیا گیا تھا۔ ان مریضوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی جن کا علاج کیا جاسکتا تھا اور ہسپتال کی ڈسپنسری مریضوں کو گھر لے جانے کے لیے ادویات فراہم کرتی تھی۔ ٹیچنگ ہسپتال طب کے نئے طلبا کی تربیت کی بنیاد تھے جیسا کہ آج کل بھی ہیں۔ آٹھ سو سال پہلے، یہ تدریسی ہسپتال طلباء کو علمی اور عملی سبق فراہم کرتے تھے۔ آج کی طرح تعلیم کئی طلباء کو ایک ساتھ گروہوں کی صورت میں اور اکیلے اکیلے بھی دی جاتی تھی۔ ہسپتال کے ایک بڑے ہال میں لیکچرز کا انعقاد کیا جاتا تھا اور

کوئی معالج کسی طبّی جریدے سے کسی بھی ایک موضوع کو پڑھتا تھا۔ لیکچر کے بعد چیف معالج یا سرجن سوالات کا جواب دیتا تھا۔ بہت سے طالب علموں نے معروف معالجین کے ساتھ طبّی تحریروں کا مطالعہ کیا اور چونکہ مسلم دنیا میں کاغذ بہت زیادہ تھا، اس لیے ذاتی استعمال کے لیے لکھے گئے نسخے بھی محفوظ تھے۔ جبکہ اسی دور میں یورپ میں ایسے نسخے بہت کم ہی ملتے تھے اور شاذ و نادر ہی کسی طالب علم کے پاس ہوتے تھے۔

طبّی تعلیم کے ساتھ ساتھ طبّی تربیت (کلینیکل ٹریننگ) کو انتظام بھی قائم کیا گیا تھا، طلباء کے گروپس وارڈ کا دورہ کرنے والے معالج یا سرجن کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ مزید اعلیٰ درجے کے طلباء شعبہ بیرونی مریض (OPD) میں موجود ڈاکٹر کا مشاہدہ کرتے تھے جو مریض کی تاریخ مرتب کرتا اور مریض کا معائنہ کرتا تھا اور ساتھ ہی اس کے لیے دوائی تجویز کرتا تھا۔ ان طبّی سکولوں میں سے ایک دمشق کا نوری ہسپتال تھا۔ معالج ابو الماجد البا ھیلی کی ہدایت پر بارہویں صدی کے حکمران نورالدین بن زنگی (1174-1118) نے ہسپتال کی بنیاد رکھی تھی۔ اس میڈیکل سکول کا نام ان کے نام پر رکھا گیا اور انہوں نے یہاں خوراک اور ادویات کی فراہمی کو یقینی بنایا اور بڑی تعداد میں طبّی کتابیں بھی عطیہ کیں جو ایک خاص ہال میں رکھی گئی تھیں۔

گریجویشن اور اسپیشلائزیشن کا بھی ایک نظام موجود تھا۔ مثال کے طور پر، آنکھوں کے ماہرین کو حنین ابن اسحاق کی لکھی ہوئی کتاب "آنکھ کے دس مقالہ جات" (كتاب الأطروحات العشر للعين) کی بنیاد پر جانچا جاتا تھا، جس میں آنکھوں کی فنکشنل اناٹومی (علم الاعضاء) اور فزیالوجی کے ساتھ ساتھ علاج کے طریقوں کی وضاحت موجود تھی۔ اسلامی دنیا کے ایک معالج کو تعلیم مکمل ہونے کے بعد لائسنس (اجازۃ) دیا جاتا تھا۔ ایک مثال کے طور پر، ابنِ نفیس (متوفی 1288/687) کا ایک دستخط شدہ بیان ہے، کہ اس کے طالب علم، ایک عیسائی جس کا نام شمس الدولہ ابو الفضل ابن ابی الحسن المسیحی تھا، اُس نے ابنِ نفیس کے ایک مقالے کو پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی۔ یہ سند خود ابنِ نفیس کے ہاتھ کی لکھائی میں ہے اور اس کی تاریخ 29 جمادی اول 668ھ (25 جنوری 1270) ہے۔ ابن نفیس نے کتب "تشریح القانون" کی شرح تصنیف کی اور ولیم ہاروے سے بہت عرصہ قبل ہی دل اور پھیپھڑے کے درمیان خون کی گردش کو دریافت کیا۔

ہر بیماری کی ایک شفابخش دوا ہے، سوائے بڑھاپے کے

ابو داؤد نے اپنی صحیح میں روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلاَّ وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ** "علاج کرواس لیے کہ اللہ نے ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی ہے کہ جس کی دوا پیدا نہ کی ہو، سوائے ایک بیماری کے، اور وہ بڑھاپا ہے"۔ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ اللهَ لم ينزل داء إلّا أنزل شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ** "اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری سوائے اس کے کہ اس نے اس کا علاج بھی نازل کیا، جو اسے جانتا ہے، اسے جانتا ہے اور جو اس سے لاعلم ہے، وہ اس سے لاعلم ہے۔" (نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان)

اگر بیماری کا درست علاج دستیاب ہو جائے تو اللہ کے حکم سے شفاء مل جاتی ہے۔ کچھ لوگ اسے جان جائیں گے اور کچھ لوگ نہیں جان سکیں گے۔ ادویات کا علم ماہرین کے پاس ہو گا، وہ مسلمانوں بھی ہوں گے اور غیر مسلم بھی ہوں گے۔ یہ علم ہر قسم کی ادویات تک پھیلا ہوا ہے، چاہے اس کا تعلق غذائی اجزسے ہوا، جڑی بوٹیوں، معدنیات یا اخذ شدہ نمکیات اور مرکبات سے ہو۔ یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ ہر بیماری کے لیے ایک دوا ہے۔ اس طرح یہ احادیث ادویات کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں جو اللہ کے حکم سے بیماری کے علاج کا باعث بنیں گی۔ بیماری اسی (سبحانہ و تعالیٰ) کی طرف سے ہے، ادویات بھی اس (سبحانہ وتعالیٰ) کی طرف سے ہیں، اور شفاء بھی اسی (سبحانہ وتعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ شفاء دوا کی وجہ سے نہیں ملتی یا اس میں موجود ہوتی ہے، کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ القدیر ہے، جس نے دوا کے اندر بیماری کو ٹھیک کرنے کی صلاحیت (قدر) رکھی ہے۔

اس قسم کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے ماہرِ ادویات، ابنِ قیّم نے فرمایا، فَقَدْ تَضَمَّنَتْ هَذِهِ الْأَحَادِيثُ إِثْبَاتَ الْأَسْبَابِ وَالْمُسَبَّبَاتِ "یہ احادیث اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے اسباب ہوتے ہیں اور ان اسباب کے خاتمے کی بھی وجوہات ہوتی ہیں"۔ اس کے بعد انہوں نے

مزید فرمایا، وَلِهَذَا عَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم الشّفاء على مصادفة الدواء للداء "چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے علاج (شفاء) کو بیماری کے لیے صحیح دوا سے جوڑ دیا"۔

پس ایک بیماری کی حالت ہے اور ایک صحت کی حالت ہے۔ اگر بیماری دائمی ہو جائے، جو برسوں اور دہائیوں سے چلی آ رہی ہو، تو اس بات پر غور کیا جانا چاہیے کہ علاج میں کچھ کمی ہے، چاہے اس کا تعلق نقصان سے بچاؤ یا غذائیت سے ہو، خوراک کے کنٹرول سے ہو یا ادویات سے۔ اس حوالے سے استثناء صرف بڑھاپے کے عمل یا بڑھاپے کے مرحلے کو ہے، جو کہ انسانی جسم کے اعضاء اور افعال کی خرابی سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بڑھاپے کا عمل ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنی جانب لوٹنے کے لیے تیار کرتا ہے، ہمارے گناہوں کو دور کرتا ہے اور ہمیں آخرت کے لیے پاک کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنے بڑھاپے اور اپنے بزرگوں کے بڑھاپے میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک مسلمان ڈاکٹر اپنے مریض کو دستیاب مناسب ادویات میں سے دوا دیتا ہے۔ اسلامی دور میں مسلمانوں نے یونانی ادویات کو اپنانے اور ان میں بہتری لانے سمیت اس وقت دستیاب طریقہ ہائے علاج کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ آج کے مسلمان ڈاکٹروں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ادویات مہارت کا ایک شعبہ ہے اور اسے ادویات کے ماہرین کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ یہی نقطہ نظر ہمیں سنتِ مبارکہ ﷺ میں مہارت کے دیگر معاملات میں نظر آتا ہے، مثال کے طور پر، فوجی مہارت کے میدان میں۔ ہر وہ عمل جس میں اس کے موضوع کو سمجھنے اور اس میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، اس میں نبی ﷺ نے عام عوامی رائے کے مقابلے میں ماہرین کی رائے کو فوقیت دی، چاہے اکثریت عوامی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بارے میں شواہد رسول اللہ ﷺ کی مشاورت سے ظاہر ہیں۔ جب آپ ﷺ نے بدر کے قریبی پانی (کنوئیں) کے پیچھے مسلم فوج کا پڑاؤ ڈالا، تو حباب بن منذرؓ کو یہ جگہ فوج کو ٹھہرائے جانے کے حوالے سے مناسب نہ لگی۔ آپؓ جنگی معاملات کے حوالے سے مہارت رکھتے تھے، آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، يَا رَسُولَ اللهِ ؛ مَنْزِلٌ أَنْزَلَكَهُ اللهُ لَيْسَ لَنَا أَنْ نَتَعَدَّاهُ ، وَلَا نُقَصِّرُ عَنْهُ ، أَمْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَة "کیا یہ وہ جگہ ہے جس پر اللہ نے آپ ﷺ کو یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے کہ ہم اب نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں، نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں، یا یہ (ٹھہرنا) رائے، جنگ اور حکمت عملی کا

معاملہ ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **بَلْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَةُ "یہ رائے، جنگ اور حکمت عملی کا معاملہ ہے"**۔ یہ سن کر حبابؓ نے ایک اور جگہ کی جانب اشارہ کیا کہ وہاں پر فوج کو ٹھہرایا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اس جانب پیش قدمی کی اور وہاں پر پڑاؤ ڈالا، اور اب صورتحال یہ بن گئی کہ پانی کے کنوئیں فوج کے پیچھے تھے، اور دشمن اُن تک جنگ کے دوران نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے پر ایک ماہر کی رائے کو فوقیت دی اور اپنی رائے چھوڑ دی۔ آپ ﷺ نے اس معاملے کو مسلمانوں کے سامنے بھی پیش نہیں کیا کہ یہ جان لیا جائے کہ اکثریت کیا رائے رکھتی ہے۔ لیکن اگر یہ معاملہ وحی کا ہوتا یعنی پہلی جگہ پر ٹھہرنے کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کبھی اس جگہ سے پیچھے نہ ہٹتے۔

سنتِ مبارکہ کی صورت میں بیان کردہ وحی قوانین اخذ کرنے کیلئے ہے۔ جیسے یہ فرض ہے کہ فوج کو تیار کیا جائے، ویسے ہی یہ بھی فرض ہے کہ صحت کی سہولیات مہیا کی جائیں، لیکن مخصوص اسالیب اور ذرائع کا چناؤ اس شعبے کے ماہرین کا کام ہے، چاہے فوج کا معاملہ ہو یا علاج کا۔ لہٰذا کسی مخصوص دوا سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی رائے مسلمانوں کیلئے لازم نہیں، جیسے آپ ﷺ کی بدر کے مقام پر فوجی پڑاؤ کی ذاتی رائے لازم نہیں تھی۔ مسلمان ان مباح معاملات میں غیر مسلموں سے اخذ کر سکتے ہیں جو شرعی احکامات کے خلاف نہ ہوں اور غیر مسلموں کے کفریہ عقیدے سے منسلک نہ ہوں۔ چنانچہ علاج صرف قرآن وسنت میں موجود معالجات تک ہی محدود نہیں، اسی طرح یہ آج ادویات بنانے والی کمپنیوں کے تجویز کردہ معالجات تک بھی محدود نہیں۔

علاج کرانے پر اجر ہے لیکن علاج کرانا فرض نہیں

اگرچہ ریاست پر یہ فرض ہے کہ صحت کی مفت سہولیات فراہم کی جائیں، لیکن بیماری کی صورت میں علاج کروانا مندوب ہے، فرض نہیں۔ علاج کروانے کا حکم ایک اشارہ ہے، اس حکم سے مراد فرضیت نہیں۔ امام احمد نے روایت کی کہ انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے فرمایا، **إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيْثُ خَلَقَ الدَّاءَ خَلَقَ الدَّوَاءَ فَتَدَاوَوْا "اللہ عزوجل نے جس طرح بیماری کو پیدا کیا اسی طرح علاج کو بھی پیدا کیا ہے، پس علاج کراؤ"**۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اسامہ بن شارق سے روایت کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب کچھ لوگ صحرا سے آئے اور

آپ ﷺ سے پوچھا، "کیا ہمیں بیماری (سے شفاء حاصل کرنے) کے لیے دوا لینی چاہیے؟" آپ ﷺ نے فرمایا، **نَعَمْ، يَا عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً "ہاں، اے اللہ کے بندو، دوا علاج کرو، اللہ نے کوئی بیماری نہیں بھیجی سوائے اس کے کہ اُس نے اِس بیماری کی شفاء بھی رکھی ہے"**۔ پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دوا کرنے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے صحرا کے لوگوں کی رہنمائی فرمائی کہ علاج کروائیں کیونکہ اللہ نے ہی بیماری اور شفاء دونوں پیدا کی ہیں۔ دونوں احادیث میں خطاب ایک امر (حکم) کی صورت میں آیا۔ امر ایک طلب کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس طرح کی طلب کا مطلب ایک ذمہ داری یا فرض نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جب یہ طلب ایک حتمی طلب (طلبِ جازم) ہو۔ امر کو حتمی (لازم/فرض) ہونے کے لیے ایک اور اشارے (قرینہ) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دونوں احادیث میں ایسا کوئی اشارہ (قرینہ) نہیں ہے جو ہمیں بتائے کہ یہ حکم فرض ہے۔ اس کے علاوہ ایسی احادیث بھی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ علاج نہ کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں احادیث میں علاج کرانے کا حکم کسی حتمی ذمہ داری یا فرض کی نشاندہی نہیں کرتا۔ امام مسلم نے عمران بن حصینؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، قَالُوا: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ "میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ انہوں نے پوچھا، "وہ کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا؛ "یہ وہ لوگ ہیں جو دَم نہیں کرواتے، شگون نہیں لیتے، داغنے کے ذریعے سے علاج نہیں کراتے، اور وہ اپنے رب پر پورا بھروسہ کرتے ہیں"**۔ امام بخاری نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا، 'ایک سیاہ فام عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا، 'میں مرگی کی مریضہ ہوں، اور جب مجھے اس کا دورہ پڑتا ہے، تو میرے جسم سے کپڑا ہٹ جاتا ہے، اللہ سے دعا کریں کہ مجھے شفا یاب کردے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ "اگر تم صبر کرتی ہو تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر تم چاہو تو میں دعا کرتا ہوں اللہ تم کو تندرست کردے گا"**۔ وہ بولی: "میں صبر کرتی ہوں"، پھر بولی: "میرا بدن کھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے میرا بدن نہ کھلے"۔ آپ ﷺ نے دعا کی'۔

یہ دونوں احادیث اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ علاج نہ کرنے کی اجازت ہے۔ پہلی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو استرقہ (دم) یا ایکتوا (داغ کر علاج) نہیں کراتے، استرقہ اور ایکتوا علاج کی مختلف شکلیں ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ علاج نہیں کراتے ہیں بلکہ وہ لوگ اس معاملے کو اپنے رب پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس پر مکمل طور پر بھروسہ کرتے ہیں۔ دوسری حدیث میں، رسول اللہ ﷺ نے سیاہ فام عورت کو یہ انتخاب دیا کہ وہ مرگی کے ساتھ صبر کرے، اور کہا کہ اسے جنت ملے گی یا اس کی بجائے میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں کہ وہ اس بیماری سے ٹھیک ہو جائے۔ یہ چوائس علاج چھوڑنے کی اجازت کی نشاندہی کرتی ہے۔

اس طرح یہ دونوں احادیث بتاتی ہیں کہ علاج کروانا کوئی حتمی ذمہ داری یا فرض نہیں ہے۔ تاہم، رسول اللہ ﷺ کا علاج کروانے کی تاکید کی وجہ سے یہ حکم مستحب (مندوب) کا مقام رکھتا ہے یعنی علاج کرانے پر اجر ہے اور نہ کرانے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

غذائیت اور غذائی پرہیز

نبی ﷺ کے دور میں علاج کی بیشتر شکلوں میں غذائی پرہیز اور غذائیت بھی شامل تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے بیماروں کے علاج کے لیے دونوں کو استعمال کریں۔ ایک بار پھر، یہ امر ملحوظ رہے کہ علاج فقط قرآن و سنت میں درج معالجات تک ہی محدود نہیں۔ دین میں فرضیت اس کی ہے کہ صحت کی سہولیات مہیا کی جائیں لیکن ان سے متعلق اسالیب اور ذرائع دنیا کے (جائز) معاملات میں سے ہیں۔

جہاں تک غذائی کنٹرول کی بات ہے، ابن قیّم نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إنَّ اللَّهَ إذا أحبَّ عبدًا حماه من الدُّنيا كما يحمي أحدُكُم مريضَهُ عن الطَّعامِ والشَّرابِ "جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ (سبحانہ وتعالیٰ) دنیا کی زندگی سے پرہیز کا مشاہدہ کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے تم میں سے کوئی مریض پر کھانے پینے سے متعلق غذائی پرہیز مسلط کرے"۔**

غذائی پرہیز کی ایک مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آشوب چشم (آنکھوں کی ایک خاص بیماری) کی صورت میں کھجور کو چھوڑ کر خوراک کے ذریعے قابو پانے کا مشورہ دینا ہے۔ صہیبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، **قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ يَدَيْهِ خُبْزٌ وَتَمْرٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ادْنُ فَكُلْ فَأَخَذْتُ آكُلُ مِنَ التَّمْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم تَأْكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ قَالَ فَقُلْتُ إِنِّي أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرَى فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم** "میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کچھ روٹی اور کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'آؤ اور کھاؤ'۔ چنانچہ میں نے کچھ کھجوریں کھانی شروع کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم کھجور کھا رہے ہو جبکہ تمہاری آنکھ میں سوزش ہے؟'' میں نے کہا: 'میں دوسری طرف سے چبا رہا ہوں'۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ مسکرائے"۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے لیے غذائی پرہیز کا مشورہ دیا جو بیماری کے بعد ٹھیک ہو رہا ہو۔ ام منظر بنت قیس الانصاریہ نے روایت کیا، **دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَمَعَهُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَعَلِيٌّ نَاقِهٌ وَلَنَا دَوَالِي مُعَلَّقَةٌ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَامَ عَلِيٌّ لِيَأْكُلَ فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لِعَلِيٍّ مَهْ إِنَّكَ نَاقِهٌ حَتَّى كَفَّ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلاَمُ قَالَتْ وَصَنَعْتُ شَعِيرًا وَسِلْقًا فَجِئْتُ بِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَا عَلِيُّ أَصِبْ مِنْ هَذَا فَهُوَ أَنْفَعُ لَكَ** "رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملنے آئے، ان کے ساتھ علیؓ بھی تھے جو بیماری سے صحت یاب ہو رہے تھے۔ ہمارے پاس کچھ پکی ہوئی کھجوریں لٹکی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں کھانا شروع کیا۔ علیؓ بھی کھانے کے لیے اٹھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے علیؓ سے بار بار کہا کہ رک جاؤ علی، کیونکہ تم (بیماری سے) ٹھیک ہو رہے ہو اور علیؓ رک گئے۔ انہوں (ام منظر) نے کہا، پھر میں نے کچھ جَو اور سبزی تیار کی اور ان کے سامنے پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا، علی اس میں سے کچھ لے لو کیونکہ یہ تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہو گا"۔ (ابو داؤد)۔

رسول اللہ ﷺ نے بیماروں کو کھانے کے لیے بھڑکنے والی خواہش (cravings) کے حوالے سے رہنمائی فرمائی ہے۔ ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے ملاقات کی اور فرمایا:

مَا تَشْتَهِي "تمہیں (کھانے کی) کس چیز کی خواہش ہوتی ہے؟" اس نے جواب دیا: "مجھے گندم کی روٹی کی خواہش ہوتی ہے" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ كَانَ عِنْدَهُ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ إِلَى أَخِيهِ "جس کسی کے پاس بھی گندم کی روٹی ہے اسے وہ اپنے بھائی کو بھیج دے"**۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِذَا اشْتَهَى مَرِيضُ أَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ "اگر تم سے کسی بیمار شخص کو کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے، تو اسے وہ کھلاؤ"**۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے اب لوگوں نے بات پر تحقیق کی ہے کہ بچپن میں 'پیکا' (کھانے کی بے ترتیبی جس میں کوئی شخص ایسی چیزیں کھاتا ہے جنہیں عام طور پر کھانا نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ بعض بچے مٹی کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں) اور حمل کے دِنوں کے دوران بعض کھانوں کی خواہش اور جسم میں مخصوص غذائیت کی کمی کے درمیان ایک ربط موجود ہے۔

چنانچہ خلافت کے دور میں مسلمانوں نے غذائی پرہیز اور غذائیت سے علاج کے طریقے دریافت کیے۔ پہلی نسل کے ایک معالج حارث بن خالدہ نے بیان کیا، الْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ، وَالْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَعَوِّدُوا كُلَّ جِسْمٍ مَا اعْتَادَ "غذائی پرہیز علاج کا سردار ہے، جبکہ آنت بیماری کا گھر ہے، لہٰذا ہر شخص کو وہ (کھانے اور ادویات) دو جس کا وہ عادی ہے"۔ ابن قیّم نے مزید بیان کیا کہ، وَقَدِ اتَّفَقَ الْأَطِبَّاءُ عَلَى أَنَّهُ مَتَى أَمْكَنَ التَّدَاوِي بِالْغِذَاءِ لَا يُعْدَلُ عَنْهُ إِلَى الدَّوَاءِ" معالجوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب غذا سے علاج کا امکان ہو تو ادویات سے پرہیز کرنا چاہیے"۔ ابن قیّم کی کتاب میں ایک باب ہے جس کا نام فَصْلٌ فِي هَدْيِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِمْيَةِ "خوراک میں پرہیز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کا باب" ہے، جس میں کئی احادیث اس حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔

اسلامی تہذیب میں غذائی پرہیز اور ادویات کے حوالے سے وسیع پیمانے پر کام ہوا ہے، جو صدیوں پر محیط ہے۔ بہت سی معروف بیماریوں کے لیے وسیع رہنما خطوط موجود ہیں، بشمول پھیپھڑوں کی جھلی کی سوزش (pleurisy)، گلے کی سوزش (tonsillitis)، ہیپاٹائٹس، انجائنا اور ذیابیطس۔ مزید یہ کہ غذائیت سے علاج ڈاکٹروں کی ذمہ داری کا حصہ تھا، جیسا کہ غذائی پرہیز۔ یہ ایک اچھا طریقہ کار ہے۔ ڈاکٹر حضرات

ایٹیالوجی(aetiology)،اناٹمی(anatomy)، فزیالوجی(physiology) ، پیتھالوجی(pathology)اور فارماکالوجی(pharmacology) کے ماہر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ معالج ایسے لوگ ہیں جنھوں نے ہسپتال میں کام کرتے ہوئے شدید بیماریاں دیکھی ہیں۔اس طرح وہ اس بات کا فیصلہ کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہیں کہ کب غذائیت اور غذائی پرہیز علاج کیلئے کافی ہے اور کب باقاعدہ ادویات لازمی ہیں۔ وہ اس حوالے سے بھی فیصلہ کرنے میں زیادہ بہتر ہوں گے کہ کب زندگی بچانے والی ہنگامی ادویات کو مناسب طریقے سے استعمال میں لانا ہے۔

اسلامی حکمرانی کے دور میں، غذا کو ادویات کے طور پر استعمال کرانے کی ذمہ داری مکمل طور پر غذائیت کے ماہرین کو نہیں سونپی جاتی تھیں کیونکہ وہ ہسپتال کی ادویات میں ماہر نہیں تھے۔ خلافت کے زمانے میں صحت کی دیکھ بھال کے شعبے میں، غذائیت کے ماہر کا کردار معالج کے بعد اضافی اور ثانوی تھا۔اس کام کو معالج کے علاوہ کسی اور پر چھوڑ دینے کو خطرناک سمجھا جاتا تھا جیسے کسی فارماسسٹ (ادویات کا کیمیائی ماہر) سے کسی مریض کو دوا تجویز کرنے کے لیے کہا جائے۔اردو میں اس کے لیے ایک محاورہ ہے؛"نیم حکیم خطرہ جان" جس کا مطلب ہے کہ نامکمل معالج جان لیوا ہو سکتا ہے۔ تجربے پر مبنی حکمت قابل توجہ ہے اور اسے صرف حکمت پر ترجیح دی جانی چاہیے۔

بیماری کے علاج کے لیے غذائیت اور غذائی پرہیز کا تصور کافی عالمگیر ہے۔ کئی لوگ اس اقتباس کو غلطی سے یونانی طب کے ماہر ہیوکریٹس سے منسوب کرتے ہیں کہ "اپنی خوراک کو اپنی دوا اور اپنی دوا کو اپنی خوراک بنالو"۔ تھامس ایڈیسن کا ایک اقتباس بھی ہے، جو ایک عقلمند سکالر تھا، جس نے کہا، "مستقبل کا ڈاکٹر کوئی دوا نہیں دے گا، بلکہ اپنے مریض کو خوراک کے ذریعے انسانی ڈھانچے کی دیکھ بھال اور بیماری کی وجہ اور روک تھام میں دلچسپی پیدا کرے گا"۔یہ موجودہ طبّی تفہیم (سمجھ بوجھ) کے مطابق ہے کہ ادویات کا سہارا لینے سے پہلے قدامت پسندانہ اقدامات کو استعمال کیا جانا چاہیے۔یہ ہسپتال کے تربیت یافتہ ڈاکٹروں کا مشاہدہ ہے کہ دوسرے درجے (Type-II) کی ذیابیطس کو غذائی پرہیز سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے جبکہ گردے کی بیماری کے مریض بعض قسم کے کھانے سے پرہیز کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں، جسے گردے کی خوراک کہا جاتا ہے۔عالمی میڈیکل کمیونٹی کی جانب سے ان خدشات کا اظہار کیا گیا ہے کہ

کس طرح انتہائی صاف کی گئی خوراک (ultra refined foods) موٹاپے، ذیابیطس اور امراضِ قلب میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ پھلوں، سبزیوں، تیل، چربی، دالوں اور گری دار میوے سے بھرپور غذائیت کے فوائد کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے، خاص طور پر "بحیرہ روم کی غذا" (the Mediterranean Diet) کی تعریف کے گئی ہے۔ بحیرہ روم کی غذا صدیوں سے شام کے مسلمانوں اور مغرب کے دستر خوان کی ثقافت کا حصہ رہی ہے۔

بیماری کے لیے ادویات کا استعمال

ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے نبی ﷺ ادویات کیلئے مشورہ دیتے تھے۔ وہ مخصوص ادویات جن کا آپ ﷺ نے ذکر کیا، وہ دینی امور کا حصہ نہیں بلکہ وہ دنیا کے جائز معاملات کے دائرے میں آتی ہیں۔ لہٰذا مسلمان سیرت میں درج علاج تک محدود نہیں نہ ہی علاج بس انہی بیان کردہ چیزوں میں مقید ہے۔

مثال کے طور پر، روایت ہے کہ اُسماء بنت عُمیس نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: **بِمَاذَا كُنْتِ تَسْتَمْشِينَ "آپ جلاب کے طور پر کیا استعمال کرتی ہیں؟"** میں نے کہا: 'شوبرم (اسپرج-یوفوربیا)۔' آپ ﷺ نے فرمایا: **حَارٌّ جَارٌّ "(یہ) گرم اور طاقتور ہے"**۔ پھر میں نے سینا کو جلاب کے طور پر استعمال کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: **لَوْ كَانَ شَيْءٌ يَشْفِي مِنَ الْمَوْتِ كَانَ السَّنَى "اگر کوئی چیز موت کا علاج کرتی تو وہ سینا ہوتی"** (ابن ماجہ)۔ سینا گلائکوسائڈ (Senna glycoside)، جسے سینوسائیڈ (Sennoside) یا سینا بھی کہا جاتا ہے، ایک دوا ہے جو آج کل قبض کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے اور سرجری سے پہلے بڑی آنت کو خالی کر دیتی ہے، اس کو وسیع پیمانے پر انسانوں پر استعمال کرنے کے شواہد موجود ہیں۔

امراض قلب کے حوالے سے سعد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّكَ رَجُلٌ مَفْئُودٌ ائْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلَدَةَ أَخَا ثَقِيفٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ يَتَطَبَّبُ فَلْيَأْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِينَةِ فَلْيَجَأْهُنَّ بِنَوَاهُنَّ ثُمَّ لِيَلُدَّكَ بِهِنَّ "آپ دل کی بیماری میں مبتلا آدمی ہیں۔ ثقیف میں بھائی حارث بن کلادۃ کے پاس جائیں۔ وہ ایک آدمی ہے جو طبّی علاج کرتا ہے۔ وہ مدینہ کی سات عجوہ کھجوریں لیتا ہے اور ان کو**

ان کی گٹھلیوں کے ساتھ پیستا ہے اور پھر انہیں مریض کے منہ میں ڈالتا ہے" (ابو داؤد)۔ عجوہ درخت کی کھجوریں اسلامی دور میں دل کے امراض میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتی تھیں۔

کان، ناک، اور گلے کی بیماریوں کے بارے میں، محسن کی بیٹی ام قیس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **عَلاَمَ تَدْغَرْنَ أَوْلاَدَكُنَّ بِهَذَا الْعِلاَقِ عَلَيْكُنَّ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ "تم اپنے بچوں کے حلق کس لیے دباتی ہو؟ تم اس عود ہندی کو لازماً استعمال کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفاء ہے"**۔ ابو داؤد کہتے ہیں: عود ہندی سے ان کی مراد کاسٹس (کی جڑی بوٹی) تھا۔ بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَا تُعَذِّبُوا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ عَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ "اپنے بچوں کو 'عذرۃ' (حلق کی بیماری) میں ان کا تالو دبا کر تکلیف مت دو بلکہ کاسٹس لگادو"**۔ صدیوں تک مسلمان گلے کی سوزش میں کاسٹس (costus) استعمال کرتے تھے اور مشرقی جڑی بوٹیوں کے ماہرین آج بھی ایسا کرتے ہیں۔

خلافت کے دور میں جڑی بوٹیوں اور معدنیات کا وسیع پیمانے پر بطور دوا استعمال ہوا۔ اس کے علاوہ، اسلامی دور کے ہسپتالوں میں انسانی طبّی تجربوں اور آڈٹس (audits) کے ساتھ ساتھ دوا کی خوراکوں اور اس کی کوالٹی کنٹرول کی زبردست نگرانی کا نظام بھی موجود تھا۔ قاضی محتسب حفاظتی معیارات کی نگرانی کرتا تھا اور طبّی غفلت قابلِ سزا جرم تھی جس پر دیت اور نقصان پہنچانے کے متعلق اسلامی قوانین کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں۔ مرکب علاج آزمانے کی جگہ مفرد علاج کو ترجیح دی جاتی تھی، اور طبّی مہارت کی علامت یہ تھی کہ طبیب کتنا سادہ اور واحد طریقہ علاج استعمال کرتا ہے، اور وہ بھی احتیاطی تدابیر اور غذائی پرہیز کو استعمال کرنے کے بعد۔

ریاستی سرپرستی اور انفرادی خیراتی اوقاف کے ساتھ، مسلمانوں کی طبّی روایت پھلتی پھولتی رہی اور کئی صدیوں تک دنیا میں غالب رہی۔ اپنے دور کا سب سے بڑا اور مقبول ترین طبّی جریدہ ابنِ بیطار نے لکھا تھا، جو بارہویں صدی کے آخر میں اسلامی غرناطہ کے علاقے ملاگا میں پیدا ہوئے تھے۔ اس جریدے میں حروف تہجی کی مناسبت سے

1400 سے زائد مفرد طریقہ علاج بتائے گئے تھے جو ابنِ بیطار کے اپنے مشاہدات پر مبنی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ 150 معالجات تحریری ذرائع سے باحوالہ لیے گئے تھے۔

ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک زندہ و متحرک رہنے والی اسلامی تہذیب میں جسم کی بیماریوں کا علاج شامل تھا، اور یہ اس کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک تھا۔ مختلف طبّی تحریریں موجود ہیں، جن میں "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" (بہترین بندوں کی رہنمائی میں آخرت کی چیزیں) کا ایک حصہ شامل ہے۔ کتاب کے مصنف ابن قیّم ہیں جو 1292ء میں فوت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ کتاب کا آغاز مختلف بیماریوں کے علاج معالجے کے حوالے سے آپ ﷺ کے مشوروں سے ہوتا ہے۔

اُس وقت کے دستیاب علم کی بنیاد پر ابن قیم نے دعوی کیا، "قَوَاعِدَ طِبِّ الْأَبْدَانِ ثَلَاثَةٌ حِفْظُ الصِّحَّةِ، وَالْحِمْيَةُ عَنِ الْمُؤْذِي، وَاسْتِفْرَاغُ الْمَوَادِّ الْفَاسِدَة" جسم کی دوا کے تین اصول ہیں، صحت کو برقرار رکھنا، نقصان دہ مادوں سے حفاظت اور زہریلے مواد کو نکالنا"۔ اسلامی تہذیب میں دوا تجویز کرنے کی بنیاد بیماری کی وجہ (aetiology)، بیماری کے خلاف جسمانی رد عمل کا مطالعہ (فنکشنل اناٹومی اور فزیالوجی کے پہلو)، بیماری کا مطالعہ (پیتھالوجی) اور ادویات کے مطالعہ (فارماکولوجی) کو بنایا گیا تھا۔ ابنِ قیم نے دعویٰ کیا تھا کہ، "وَأَمْرَاضُ الْمَادَّةِ أَسْبَابُهَا مَعَهَا تَمُدُّهَا، وَإِذَا كَانَ سَبَبُ الْمَرَضِ مَعَهُ، فَالنَّظَرُ فِي السَّبَبِ يَنْبَغِي أَنْ يَقَعَ أَوَّلًا، ثُمَّ فِي الْمَرَضِ ثَانِيًا، ثُمَّ فِي الدَّوَاءِ ثَالِثًا."جسمانی عناصر سے پیدا ہونے والی بیماریاں اسباب کے ساتھ ہوتی ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے معاملات میں، سبب پر غور کرنا ترجیح ہے، اس کے بعد بیماری پر غور کرنا دوسرے نمبر پر، جبکہ دواء پر غور کرنا آخر میں آتا ہے"۔

ابن قیّم نے اس نقطہ نظر کی جانب توجہ مبذول کروائی کہ لازمی طور پر کچھ چیزوں کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بہ قدم آگے بڑھا جائے۔ انہوں نے کہا، "وَقَدِ اتَّفَقَ الْأَطِبَّاءُ عَلَى أَنَّهُ مَتَى أَمْكَنَ التَّدَاوِي بِالْغِذَاءِ لَا يُعْدَلُ عَنْهُ إِلَى الدَّوَاءِ، وَمَتَى أَمْكَنَ بِالْبَسِيطِ لَا يُعْدَلُ عَنْهُ إِلَى الْمُرَكَّبِ" معالجوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب بھی کسی بیماری کا غذا کے ذریعے علاج کیا جا سکتا ہو، تو ادویات سے گریز کرنا

چاہیے۔انہوں نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ جب بھی کسی ایک مفرد علاج کے ذریعے بیماری کا علاج کیا جاسکتا ہے تو مرکبات کو استعمال کرنے سے لازمی بچنا چاہیے"۔اس تصور کے پیچھے یہ فکر ہے کہ حد سے زیادہ یا نامناسب مداخلت یا ادویات کے منفی اثرات سے بچنا چاہیے۔

ابن قیّم نے ایک معالج (ڈاکٹر) کی تعریف اس طرح سے کی ہے: فَالطَّبِيبُ: هُوَ الَّذِي يُفَرِّقُ مَا يَضُرُّ بِالْإِنْسَانِ جَمْعُهُ، أَوْ يَجْمَعُ فِيهِ مَا يضره تفرقه، وينقص مِنْهُ مَا يَضُرُّهُ زِيَادَتُهُ، أَوْ يَزِيدُ فِيهِ مَا يَضُرُّهُ نَقْصُهُ، فَيَجْلِبُ الصِّحَّةَ الْمَفْقُودَةَ، أَوْ يَحْفَظُهَا بِالشَّكْلِ وَالشَّبَهِ، وَيَدْفَعُ الْعِلَّةَ الْمَوْجُودَةَ بِالضِّدِّ وَالنَّقِيضِ، وَيُخْرِجُهَا، أَوْ يَدْفَعُهَا بِمَا يَمْنَعُ مِنْ حُصُولِهَا بِالْحِمْيَةِ، وَسَتَرَى هَذَا كُلَّهُ فِي هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَافِيًا كَافِيًا بِحَوَلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ، وَفَضْلِهِ وَمَعُونَتِهِ"معالج وہ ہے جو اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کس چیز کا سامنا کرنے سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے۔وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کس چیز کی محرومی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے۔معالج انسان سے وہ چیز نکال دیتا ہے جو زیادہ نقصان کا باعث بنتی ہے، جبکہ جس چیز کی کمی ہو وہ اُس کی اِس کمی کو پورا کرتا ہے۔معالج اچھی صحت حاصل کرنے میں یا اچھی صحت کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔وہ موجودہ (بیماری کی) وجہ کو اس کے مخالف یا متبادل کے ذریعے روکتا ہے، یا (بیماری کی) وجہ کو ختم کرتا ہے، یا غذائی پرہیز کے ذریعے (بیماری کی) وجہ کو یا اس کے دوبارہ پلٹ آنے کو روکتا ہے۔آپ دیکھیں گے کہ یہ تمام ہدایات اللہ کے اذن، قدرت اور مدد سے، رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی اور مشورے کے مطابق ہیں"۔

نتیجہ: اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم اور اس کی بیماری کا علاج پیدا کیا ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ عظیم ہے جس نے انسان کو بہترین حالت میں پیدا کیا۔یہ ایسی حالت ہے کہ جس کے اندر رہی بیماریوں سے بچنے کے لیے اصلاحی اقدامات اٹھانے کی صلاحیت موجود ہے۔یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں پیاس پانی کی کمی کی نشاندہی کرتی ہے تاکہ جسم میں پانی کی کمی نہ ہو۔یہ ایک ایسی حالت ہے جو غذائیت کی کمی کو محسوس کرتی ہے اور پھر اس کو پورا کرنے کے لیے خوراک کی تلاش کرتی ہے۔یہ ایک ایسی حالت ہے جو سانس کے راستے داخل ہونے والے نقصان دہ مادوں کو باہر نکالنے کے لیے کھانسی کرتی ہے اور قے کرتی ہے تاکہ وہ اس نقصان دہ مادے

کو خارج کر دے جو وہ کھاتی ہے۔ یہ بخار میں مبتلا ہوتی ہے تاکہ بیماری کے خاتمے کے عمل کو تیز تر کیا جا سکے اور یہ نقصان دہ مادوں کو پھوڑوں کی شکل میں اکٹھا کر دیتی ہے تاکہ وہ پورے جسم میں نہ پھیل جائیں۔ تو کیا ہم اس پر غور و فکر نہیں کریں گے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کیسا وجود تخلیق کیا ہے؟

سب تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جس نے بے شمار معدنیات، جڑی بوٹیاں اور جانوروں کی مصنوعات پیدا کیں جو انسانوں کے لیے علاج کا ذریعہ ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو بنانے والے (الصانع)، تنظیم کرنے والے (المدبر) کی حیرت انگیز تخلیقات ہیں، جو جانتا ہے کہ اس کی سب سے پسندیدہ تخلیق، انسان، کے لیے بہترین نعمت کیا ہے۔ تو ہم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلائیں گے؟

سب تعریفیں اللہ پاک کی ذات کے لیے ہیں جس نے تمام انسانیت میں سب سے بہتر، پیغمبروں کے امام، سیدنا محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، جنہوں نے انسانیت کو خبردار کیا، انہیں خوشخبری دی اور ہدایت سے روشناس کیا۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہی ہیں جو ہمارے لیے ایک مکمل دین لائے، جس نے اسلامی امت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا اور اسے بنی نوع انسان کے لیے بہترین امت کے طور پر کھڑا کیا۔ اسلام کی حکمرانی کے دَور میں ،امت نے زندگی کے تمام شعبوں میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا، بشمول طب کے شعبے میں بھی، جو اس دین کی عظمت کی گواہی ہے، جو اس امت کی زندگی کی روح ہے۔ اور ان شاءاللہ اسلام ایک معاشرے اور ریاست کے طور پر واپس آئے گا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق بنی نوع انسان کی رہنمائی کر سکے۔

فہرست

سرمایہ دارانہ طاقتوں کے مالیاتی ہتھکنڈے

ڈاکٹر الاسد العجلی

الوعی شمارہ 421، سے ترجمہ

آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا شمار ان اہم مالیاتی ہتھکنڈوں میں ہوتا ہے، جنہیں بڑی سرمایہ دار طاقتیں عالمی معیشت پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ان کے ذریعے دوسرے ممالک کو مسلسل قرضوں میں دھکیلا جاتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ معاشی طور پر محتاج رہیں۔اس طرح ان مالیاتی اداروں کی طرف سے پیش کیے جانے والے قرضے اصل میں ان کے اثر ورسوخ کو بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ یہ قرض دینے والی قوموں کے ہاتھوں میں سیاسی ہتھیار کا کام کرتے ہیں، جن کے ذریعے وہ قرض لینے والی قوموں پر اپنی پالیسیاں اور نظام مسلط کرتے ہیں۔ لہذا ایسے میں کوئی بھی دھچکا جو مقروض قوموں کے ترقیاتی منصوبوں کو پہنچتا ہے، وہ ان کو نافذ کرنے والے نظام کے لیے بھی دھچکا ثابت ہوتا ہے۔

ان مالیاتی اداروں کی طرف سے مقروض ممالک پر مسلط کیے گئے مالیاتی اور معاشی اصلاحات کے پروگرام حقیقت میں وہ مہلک خوراک ہے، جو قوموں کی معیشت کو تباہ کر دیتی ہے اور انہیں قرض دینے والے اداروں کا محتاج اور ماتحت بنا دیتی ہے۔ مزید برآں، قوموں کی مالی صلاحیت معلوم کرنے اور ان کے معاشی رازوں سے پردہ اٹھانے کے لیے پہلے ماہرین بھیجے جاتے ہیں اور پھر مخصوص منصوبے منوانے اور شرائط لگانے کے بعد ہی قرضے دیے جاتے ہیں۔ زیادہ تر منصوبے صرف عوامی خدمات کے ہوتے ہیں جن سے صنعتی پیداوار کبھی ترقی نہیں کرتی۔

آئی ایم ایف کی جانب سے قرضوں کے لیے جو شرائط مقرر کی گئی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل نکات میں کیا گیا ہے:

ڈالر کے مقابلے میں مقامی کرنسی کی قدر میں کمی۔ یہ دو طرح سے نقصان کا باعث بنتی ہے: پہلا: مقامی کرنسی کی قیمت خرید میں کمی اور پیداوار کی لاگت میں اضافے کی وجہ سے مقامی اجناس کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ۔ دوسرا: کرنسی کی قدر میں کمی ملکی پیداوار کو، بین الاقوامی منڈیوں میں دیگر اشیا کے لیے، قرض دینے والے ممالک کی برآمدات کے مقابلے میں برآمد کرنے کیلئے کمزور کر دیتی ہے، جس کا نتیجہ برآمدی قیمتوں میں کمی کے طور پر نکلتا ہے۔ یہ سب کمزور قوم کی توانائیوں اور وسائل کا کم قیمت پر فروخت ہونے کا باعث بنتا ہے۔

بجٹ کا بوجھ اٹھانے کے لیے ریاست کے اخراجات کو کم کرنا۔ یہ مفادِ عامہ کے شعبے میں اجرتوں میں کمی، اخراجات، حکومت کی طرف سے بنیادی ضروریات جیسے رہائش، کپڑے اور خوراک کے ساتھ ساتھ تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال جیسی ضروریات کے شعبوں میں فراہم کردہ وظیفوں اور سبسڈی کو کم یا منسوخ کر کے کیا جاتا ہے۔ اس سے افراد کے لیے رہن سہن کے اخراجات بڑھ جاتے ہے جبکہ ناخواندگی، بیماری اور غربت ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ ایندھن کی قیمتوں میں اضافے کے نتیجے میں نقل و حمل کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ ان تمام اقدامات کی وجہ سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں جو آخر کار مہنگائی، معاشی انحطاط اور افراطِ زر کا باعث بنتا ہے۔

بجٹ کے وسائل میں اضافے کیلئے ظالمانہ ٹیکسوں جیسے سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس، کیپٹل گین ٹیکس اور لیبر ٹیکس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں جس سے صارف اور پروڈیوسر (producer) دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے اجناس کی مانگ کم ہو جاتی ہے جس سے پروڈیوسر یا ایکسپورٹر کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح عوام پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے کیونکہ حکومت اپنے شہریوں کا خون چوسنا شروع کر دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«إن من أعظم الخيانة أن يتاجر الراعي في رعيته» "سب سے بُری خیانت اس سرپرست کی ہے جو اپنی رعایا پر تجارت کرے"۔**

نجکاری: یہ خزانہ بھرنے کے لیے عوامی اداروں کو نجی شعبے کو فروخت کرنا ہے۔ یہ استعماری آئی ایم ایف کی طرف سے مقروض ممالک پر مسلط کی گئی سب سے اہم اور خطرناک پالیسیوں میں سے ایک ہے جس کے ذریعے وہ عوام کی صلاحیتوں کو ہڑپ کرتا ہے۔

کفایت شعاری کے اقدامات جن کی ریاست پابند ہے۔ ان میں شرح سود میں اضافہ، ٹیکسوں میں اضافہ اور کئی اشیاء پر کسٹم ٹیکس میں اضافہ جن میں خوراک اور ضروری اشیاء شامل ہیں، اور اخراجات کو کم کرنا شامل ہے۔ یہ عوام پر ان کی صلاحیتوں سے زیادہ بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔

آئی ایم ایف کی طرف سے اختیار کی جانے والی ان پالیسیوں کا مقصد مقروض ممالک کو سرمایہ دار ممالک کی زیادہ قیمتوں والی اشیا کے تبادلے کے لیے کھلی منڈیوں میں تبدیل کرنا ہے، جس سے معیشت کو بدلنے کے لیے مقصود حالات پیدا کیے جاسکیں۔ یہ اقدامات سرمایہ دارانہ منڈیوں کی معیشت میں منصوبہ بندی اور مرکزی رہنمائی پر مبنی ہیں۔ یہ وحشی سرمایہ داریت کی ہیرا پھیری ہے جس کی بنیاد صرف لالچ اور زیادہ منافع ہے۔

اس طرح آئی ایم ایف کی طرف سے عائد کردہ شرائط درحقیقت ایک تباہ کن پیکج ہوتا ہے جو بالآخر عوام کے بھوک سے مرنے اور قوم کے گھٹنے ٹیکنے کا باعث بنتا ہے۔

جہاں تک بین الاقوامی بینک یعنی ورلڈ بینک کا تعلق ہے، اس کا انحصار نام نہاد "انفراسٹرکچر ڈویلپمنٹ"(Infrastructure Development) کی حمایت پر ہے۔ یہ سرمایہ کاری کے لیے خود مختار دولت پر توجہ مرکوز کرتا ہے، جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے۔ تاہم، منتخب شدہ منصوبے ریاست کیلئے منافع نہیں لاتے۔ اس میں ورثے کے تحفظ کے منصوبے، ماحولیاتی منصوبے، سیاحت کے منصوبے، تولیدی صحت کے منصوبے (آبادی میں اضافے کو کم کرنے کے لیے)، تعلیم میں اصلاحات اور دیگر شامل ہیں۔ جہاں تک بڑے اور سٹریٹجک منصوبوں کا تعلق ہے، تو عالمی بینک صرف اس وقت سرمایہ کاری کرتا ہے جب اس منصوبے کو مغربی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے شروع کیا ہو۔

اس طرح عالمی بنک ریاست کو قرضوں میں غرق کر دیتا ہے، ترقی کے پہیے میں خلل ڈال دیتا ہے، اور امت کی دولت کو لوٹ لیتا ہے۔

ان دونوں اداروں کی طرف سے فراہم کردہ قرضے دو قسم کے ہیں: قلیل مدتی قرضے اور طویل مدتی قرضے۔ جہاں تک قلیل مدتی قرضوں کا تعلق ہے، اس کا مقصد قوموں کی کرنسی پر حملہ کرنا ہے تاکہ افراتفری پیدا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادائیگی صرف غیر ملکی کرنسی کے طور پر قبول کی جاتی ہے۔ قومیں ان کرنسیوں کی کمی کی وجہ سے ادائیگی کرنے سے قاصر رہتی ہیں یا اس وجہ سے کہ انھیں بین الاقوامی تجارت کے لیے ایسی کرنسیوں کی ضرورت ہے۔ یہ معاملہ انہیں ایسی کرنسیوں کو زیادہ قیمت پر خریدنے پر مجبور کرتا ہے اور اس طرح ان کی اپنی کرنسی کی قدر گرتی ہے، جس سے وہ آئی ایم ایف کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کی کرنسیوں کو امریکہ کی طرف سے مقرر کردہ پالیسی کے مطابق کنٹرول کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ امریکہ ہی ہے جو بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک کو کنٹرول کرتا ہے، کیونکہ ان میں اس کا حصہ سب سے بڑا ہے۔

جہاں تک طویل مدتی قرضوں کا تعلق ہے، ان کی مدت لمبی ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں کی ذاتی کھاتوں میں منتقلی کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ادائیگی مقررہ تاریخ سے زیادہ بھی برداشت کی جاتی ہے، اس طرح کہ قرض جمع ہو کر بڑی رقم بن جاتے ہیں، جسے قوم ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس طرح مقروض قوم کے معاملات میں براہ راست یا قرض دینے کے لیے استعمال ہونے والے اداروں کے ذریعے مداخلت شروع ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی معاشی اصلاحات کا ایک پروگرام مسلط کیا جاتا ہے جس میں مہلک شرائط شامل ہوتی ہیں جیسے کرنسی کی قدر میں کمی، حکومتی اخراجات میں کمی، عوامی منصوبوں کی نجکاری، بہت سی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ، ایندھن، پانی اور بجلی جیسی اشیاء اور خدمات پر ٹیکس بڑھانا، نئے ٹیکس لگانا، اور دوسرے اقدامات جو کسی بھی ملک کی معیشت اور اس کی مالیاتی پالیسی کو قرض دینے والی قوموں کے مکمل کنٹرول میں کر دیتے ہیں۔ یہ اس حقیقت کے علاوہ ہے کہ عالمی بینک یا بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے قرض

لینے والے ملک کی طرف سے حاصل کیے گئے قرضوں کا ایک بڑا حصہ پچھلے قرضوں کی ادائیگی کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔

ان بین الاقوامی اداروں سے قرضے لینے سے معاشی بحالی کبھی نہیں ہو گی۔ معیشت کو جو چیز ٹھیک کرے گی وہ امت کے عقیدے سے نکلنے والی نظریاتی قانون سازی ہے جو اس کے رب سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نکلتی ہے نہ کہ سرمایہ دارانہ نظریے اور کافروں کی زندگی کے طریقہ سے۔ مزید برآں، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک، دونوں ادارے ان بڑی طاقتوں کے استعماری ادارے ہیں جو عالمی اقوام کے معاملات میں مداخلت کرتی ہیں، انہیں مسلسل قرضوں میں ڈبو کر ان پر معاشی محتاجی مسلط کرتی ہیں۔ ان سے غربت میں ہمیشہ اضافہ ہوا ہے اور مسائل کئی گنا بڑھ گئے ہیں۔ پاکستان، ایران، ترکی، مصر، تیونس اور اردن جیسی اقوام اس حوالے سے بہترین گواہ ہیں، جنھوں نے ان دونوں اداروں کے ساتھ کئی دہائیوں تک مسلسل لین دین کیا ہے۔ اس حقیقت نے بعض ممتاز بین الاقوامی مبصرین کو ان دونوں اداروں کے خاتمے یا اقوام کے ملکی اور غیر ملکی معاملات میں ان کی مداخلت پر پابندی لگانے کے مطالبے پر بھی اکسایا ہے۔ لیکن امریکی اور یورپی ممالک اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دونوں اداروں کو بغیر کسی روک ٹوک کے، ابھی تک طاقتور ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

سود خور سرمایہ دارانہ نظام کے تحت کام کرنے والے ان اداروں سے قرض لینا مسلمانوں کے علاقوں کو مزید غربت اور محتاجی کی طرف لے جائے گا۔ اس کے بے شمار ثبوت دنیا کے تمام حصوں میں موجود ہیں۔ مزید یہ کہ یہ تمام انسانیت کے رب کے غضب کا سبب بنے گا کیونکہ یہ سود کا لین دین ہے جسے شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِي ٱلصَّدَقَٰتِۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ**﴾ "**خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی کافر گنہگار کو دوست نہیں رکھتا**" (سورہ البقرہ-2:276)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: **وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ** "**اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے**" (سورہ البقرہ-2:275)۔ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«لَعَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَهُ» "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، لکھنے والے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی" (مسلم)۔

لہٰذا معیشت کبھی بھی حرام سے بحال نہیں ہوئی اور نہ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شاندار شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: **﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ "اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے"** (سورہ طٰہٰ-20:124)۔

جو بھی استعماری اداروں کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ دراصل بیماری ہی کے ذریعے علاج کی تلاش میں ہے، جو امت کو بڑی طاقتوں اور ان کے اداروں کی مزید لوٹ مار کا شکار بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ امت کے لیے معیشت کو صحیح طریقے سے بحال کرنے کے لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے فریم ورک کے اندر، اسلامی معاشی نظام کے کسی بھی حصے کو چھوڑے بغیر اس کو مکمل طور پر نافذ کریں۔ درحقیقت اسلام کے احکامات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اس لیے ان کو کسی صورت الگ یا تقسیم نہیں کیا جانا چاہیے۔ مزید یہ کہ یہ کسی صورت بھی جائز نہیں۔ امت کے احیاء کی قیادت صرف اسلامی ریاست کے فریم ورک کے اندر شریعت کے مکمل نفاذ سے کی جائے گی جو کہ صرف خلافت کے ذریعے ممکن ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ ٱلْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا۟ فَأَخَذْنَٰهُم بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ﴾

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے۔ تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی۔ سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا" (سورہ الاعراف-7:96)

فہرست

چین بالمقابل امریکہ: جنگ، مشغولیت یا روک تھام؟

عبدالمجید بھٹی-پاکستان

24 ستمبر 2021 کو چار ملکوں کے سیکورٹی فورم، کواڈ(Quad) نے اعلان کیا، "ہم ایک ساتھ مل کر، آزاد اور کھلے، قوانین پر مبنی آرڈر کو فروغ دینے کی سفارش کرتے ہیں، جو بین الاقوامی قانون سے منسلک ہے اور جبر سے پاک ہے، تاکہ انڈوپیسیفک اور اس سے باہر کے علاقوں کی سلامتی اور خوشحالی کو تقویت ملے"(1)۔ رہنماؤں نے اپنے بیان کے بنیادی ہدف، چین کا نام نہیں لیا، لیکن یہ بالکل واضح تھا کہ وہ بیجنگ کو مخاطب کر رہے ہیں۔ مزید برآں، ایشین پیسفک کے بجائے انڈوپیسیفک کی اصطلاح کا استعمال اس بات کی سختی سے نشاندہی کرتا ہے کہ بھارت، امریکہ، جاپان اور آسٹریلیا خطے میں چینی توسیع پسندی کو برداشت نہیں کریں گے۔

کواڈ (Quad) کے اجلاس کے منعقد ہونے کے بعد AUKUS کا اعلان سامنے آیا جہاں امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا نے ایک نئے فوجی معاہدے کا اعلان کیا جس کے تحت آسٹریلیا کو جوہری آبدوزیں فراہم کی جائیں گی۔ 2016 میں، امریکہ اور برطانیہ نے جاپان کے ساتھ فوجی اتحاد بنایا تھا، لیکن اس میں جوہری آبدوزوں کی فراہمی شامل نہیں تھی۔ چین نے دونوں معاہدوں کی شدید مخالفت کی ہے۔ چین نے کواڈ کو ایک ایسا طریقہ کار قرار دیا ہے جو سرد جنگ کی ذہنیت اور طریقہ کار کی نشاندہی کرتا ہے(2)۔ AUKUS کے بارے میں، چین کی وزارت خارجہ کے ترجمان، ژاؤ لیجیان نے کہا کہ یہ اقدام "علاقائی امن اور استحکام کو یقینی طور پر کمزور کرتا ہے"(3)۔

جب اس طرح کے ہتھکنڈوں کو اوباما کی 'ایشیا کی حکمت عملی' اور چین کے ساتھ ٹرمپ کی 'تجارتی جنگ' کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو بے چینی کا بڑھتا ہوا احساس ہوتا ہے کہ امریکہ اور چین تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فنانشل ٹائمز میں لکھتے ہوئے ایڈورڈ لوس (Edward Luce) کا خیال ہے کہ امریکہ جلد ہی چین سے ٹکرا جائے گا(4)۔ دوسرے مبصرین کا دعویٰ ہے کہ امریکہ نے چین کے ساتھ روک تھام (containment) کا رویہ اختیار

کرلیا ہے۔ برانڈز (Brands) اور بیکلے (Beckley) یہ سمجھتے ہیں کہ پچھلے پانچ سال کے عرصے میں امریکہ نے چین کو مشغول رکھنے کے لیے ایک نیا طریقہ کار اپنایا ہے (5)۔ لارسن (Larson) کے مطابق، امریکہ نے روس اور چین کے عزائم کو روکنے کے لیے سرد جنگ کے دور میں استعمال ہونے والے روک تھام (containment) کے طریقہ کار کو خاص طور پر دوبارہ زندہ کیا ہے (6)۔ دریں اثنا، جان ایکن بیری (John Ikenberry) ان مفکرین کی ایک چھوٹی سی جماعت کی نمائندگی کرتا ہے جو چین کے ساتھ تعلقات پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اس میں مغربی حکمرانی پر مبنی بین الاقوامی نظام میں چین کا انضمام شامل ہے (7)۔

تصادم اور ٹکراؤ جیسے الفاظ اکثر جنگ کے مترادف ہوتے ہیں، لیکن یہ گمراہ کن ہے اور چین کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کی درست عکاسی نہیں کرتا۔ وسیع پیمانے پر قوموں کے ساتھ امریکی تعلقات کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: جنگ، مشغولیت (engagement) اور روک تھام (containment)۔ ان اقسام کی صورتحال میں سے کسی ایک سے دوسری صورتحال کی طرف منتقلی اکثر غیر واضح دکھائی دیتی ہے، اور مبصرین عام طور پر اس مرحلے کے دوران کسی خاص ریاست کے ساتھ امریکی تعلقات کی وضاحت کے لیے تصادم یا ٹکراؤ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

تینوں مراحل میں سے جنگ کو ایک ریاست کی طرف سے دوسری ریاست کے خلاف عسکری طاقت اور تشدد کے استعمال کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مشغولیت (engagement) کا مقصد ریاستوں کو مغرب کی حکمرانی پر مبنی بین الاقوامی نظام میں ضم کرنا ہے، یہاں تک کہ اُن ریاستوں کو بھی جو موجودہ سیاسی نظام میں تبدیلی (انقلاب) چاہتی ہیں۔ اس طرح روس اور چین جیسی ریاستیں بھی مغربی حکمرانی پر مبنی نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں گی چاہے بین الاقوامی نظام میں مغرب کا حصہ بدترین حد تک کم ہو رہا ہو (8)۔

روک تھام (containment) کے تصور کو سمجھنا آسان نہیں ہے کیونکہ یہ مبہم طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جارج کینن (George Kennan) کے مطابق، جو کہ اس تصور کا مرکزی معمار ہے، روک تھام کا نظریہ ہمیشہ دنیا بھر میں کمیونسٹ نظریے کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے کے لیے تھا اور کبھی بھی امریکی خارجہ پالیسی کو

عسکری بنانے کے لیے نہیں تھا۔ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہوئے کینن نے اس موضوع پر اپنے خیالات کو "سیاسی خطرے کی سیاسی روک تھام" کے طور پر بیان کیا(9)۔ بہر حال، ایسا لگتا ہے کہ یکے بعد دیگرے امریکی حکومتوں نے جان بوجھ کر کینن کے روک تھام کے تصور کو استعمال کیا جس کے تحت وہ مخالف ریاستوں کے نظریاتی عزائم اور فوجی طاقت پر حد لگاتے تھے، اور دشمن کی معاشی طاقت اور علاقائی توسیع پسندی کو محدود کرتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد، امریکہ نے جزیرہ نما کوریا میں کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے چین کے ساتھ جنگ کی تھی۔ 1953 کے بعد، امریکہ نے چین کے خلاف روک تھام کی حکمت عملی شروع کی تھی۔ اس کا مقصد ایشیائی پیسیفک خطے میں کمیونسٹ نظریے کے اثر کو کم کرنا تھا۔ بعض اوقات امریکہ نے دنیا بھر میں کمیونزم کے اثر کو محدود کرنے کے لیے افریقہ میں سوویت روس اور ویت نام میں چینیوں کے ساتھ پراکسی جنگیں کیں۔ تاہم، سوویت روس اور چین کا اتحاد ٹوٹنے کے بعد 1969 میں ان سابقہ دوست کمیونسٹ ریاستوں کے درمیان سات ماہ کی سرحدی جنگ ہوئی جس کے بعد امریکہ اس قابل ہوا کہ اس نے آہستہ آہستہ چین کو مشغول کرنا شروع کیا۔

1970 کی دہائی کے آخر سے اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے عرصے کے درمیان، امریکہ نے چین کو بین الاقوامی آرڈر میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی انتہا امریکہ کی چین کو WTO میں شامل کرنے کی حمایت تھی۔ 2000 کی دہائی کے وسط تک چین کو وسیع پیمانے پر امریکہ کا اسٹریٹیجک مدِ مقابل سمجھا جانے لگا تھا۔ اگر بش اور اوباما افغانستان اور عراق کی جنگوں میں مصروف نہ ہوتے تو امریکہ چین کی روک تھام کرنے کے مرحلے میں بہت پہلے چلا جاتا۔

آج، جب چین کی بات آتی ہے تو امریکہ نے روک تھام کے حق میں مشغولیت کی پالیسی ترک کر دی ہے۔ امریکہ اپنے شراکت داروں کے ساتھ مل کر جنوبی ایشیائی سمندر میں چین کی بحریہ کو ناکام بنانے کے لیے کام کر رہا ہے۔ واشنگٹن چین کے لیے شمالی اور چین کے 'ون بیلٹ ون روڈ' (OBOR) منصوبے کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ واضح طور پر 1950 کی دہائی کے بعد سے، امریکہ کے نظریاتی عزائم نے ہی چین کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کو تشکیل دی

ہے اور اس نے جنگ، روک تھام اور مشغولیت کی شکل اختیار کی، جن سب میں روک تھام کی نئی پالیسی سب سے حاوی ہے۔

جنگ، روک تھام اور مشغولیت کے مراحل کسی خاص قوم کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ یہ عمومی ہیں لیکن آئیڈیالوجی کے نظریات کے تابع ہیں۔ مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی قریش کے خلاف جنگی پالیسی اختیار کی۔ بدر اور اُحد کی لڑائیوں سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے قریش سے کئی جھڑپیں کیں جن کا مقصد صرف اور صرف قریش کو جنگ پر اکسانا تھا۔ حدیبیہ کے معاہدے کے ذریعے قریش کے ساتھ جنگ کی اس پالیسی کو روک تھام کی پالیسی میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس معاہدے نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس قابل بنایا کہ انہوں نے دوسرے قبائل اور ریاستوں کے خلاف جنگ اور مشغولیت، دونوں طرح کی پالیسیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جزیرہ نما عرب میں قریش کے اثر و رسوخ کو بہت حد تک کم کر دیا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے صرف دو ہفتوں کے بعد، رسول اللہ ﷺ نے قریش کے اتحادی بنو خیبر (یہود) کی طاقت ختم کر دی۔ اس معاہدے نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس قابل بھی بنایا کہ انہوں نے کھلے عام قبائل اور جزیرہ نما عرب کی ہمسائیہ ریاستوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس لیے دوسرے قبائل اور قوموں کے ساتھ مشغولیت کی پالیسی نے قریش کے اثر کو تیزی سے کم کیا اور اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد خلفاء نے جنگ (جہاد)، مشغولیت (اسلام کی دعوت یا اسلام کے مطابق زندگی گزارنے) اور روک تھام (جنگ بندی معاہدوں) کی پالیسیوں کو جاری رکھا، اور اس وجہ سے اسلام تیزی سے پھیلا۔

چنانچہ مسلمانوں کو امریکہ کی چین کے ساتھ تعلقات میں روک تھام یا جنگی پالیسی کی بحث کو خاموش تماشائی کی طرح نہیں دیکھنا چاہیے۔ بلکہ مسلمانوں کو گہرائی سے چین اور امریکہ کے درمیان تعلقات کا مشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ جونہی دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی اپنے عروج پر پہنچے تو اُس موقع کا فائدہ اٹھا کر دوسری خلافتِ راشدہ کو دوبارہ قائم کر دیا جائے۔ بلاشبہ، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی تھی، تو اُس وقت رسول اللہ ﷺ تندہی سے رومیوں اور فارسیوں کے درمیان جنگ کا اندازہ لگا رہے تھے۔

حوالاجات:

[1] Reuters, (2021). Quad leaders press for free Indo-Pacific, with wary eye on China. *Reuters*. Available at: https://www.reuters.com/world/china/quad-leaders-meet-white-house-amid-shared-china-concerns-2021-09-24/

[2] Economic Times News, (2021). China says it firmly opposes Quad alliance as it adheres to Cold War mentality. *Economic Times News*. Available at: https://economictimes.indiatimes.com/news/international/world-news/china-says-it-firmly-opposes-quad-alliance-as-it-adheres-to-cold-war-mentality/articleshow/81692933.cms

[3] BBC, (2021). Aukus: UK, US and Australia launch pact to counter China. *BBC*, Available at: https://www.bbc.com/news/world-58564837

[4] Luce, E. (2021). A US-China clash is not unthinkable. *Financial Times*, Available at: https://www.ft.com/content/b3d41138-7dab-4a7f-9ed5-7b5ec7baf985

[5] Brands, H. and Beckley, M. (2021). The End of China's Rise: Beijing Is Running Out of Time to Remake the World. *Foreign Affairs*. 100(6).Available at: https://www.foreignaffairs.com/articles/china/2021-10-01/end-chinas-rise.

[6] Larson, D. (2021) The Return of Containment: What the Cold War policy means for our current moment. *Foreign Policy*, Available at: https://foreignpolicy.com/2021/01/15/containment-russia-china-kennan-today/

[7, 8] Ikenberry, J. (2014). The Rise of China and the Future of Liberal World. Chathamhouse. Available at:https://www.chathamhouse.org/sites/default/files/field/field_document/20140507RiseofChina.pdf

[9] Kennan, G. (2020) *Memoirs 1925-1950*. Plunkett Lake Press.

فہرست

میاں بیوی کا باہمی راز کھولنا حرام ہے اور شوہر کی ناشکری حرام ہے

یوسف احمد بدرانی کی کتاب "العائلة قلعة" (خاندان ایک قلعہ ہے) سے ماخوذ

ازدواجی زندگی سے متعلق اللہ اور رسول ﷺ نے یہ مہربانی اور کرم فرمایا ہے کہ اس کے لیے ایسے قوانین وضع فرمائے جو اسے ہر برائی اور ناپسندیدگی سے محفوظ رکھتے ہیں اور اسے پاک صاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے میاں بیوی کو چغل خوری، غیبت اور باہمی راز افشاء کرنے سے منع کیا ہے کیوں کہ یہ سب کچھ کینہ، بغض اور دشمنی و نفرت کا بیج بوتے ہیں، جس کی وجہ سے بعض اوقات ایک دوسرے کے ساتھ زندگی میں ساتھ نبھانا مشکل ہو جاتا ہے اور شیطان کو راستہ بنانے میں مدد ملتی ہے۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے راز کھولنے کی ممانعت اسی حکم میں داخل ہے جو امانت کی حفاظت سے متعلق ہے۔

امام مسلم اور ابو داؤد نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: **إِنَّ مِن أَعْظَمِ الأَمَانَةِ عِنْدَ اللهِ يَومَ القِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إلى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا** "بے شک اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بڑی امانت (جس کی خیانت کی گئی ہو) یہ ہے ایک شخص اپنی بیوی (سے ہم بستری) کا ارادہ کرے اور اس کی بیوی اپنے شوہر کا ارادہ کرے اور پھر وہ شخص اس کے راز کو فاش کر دے"۔ اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ من شرِّ الناسِ عندَ اللهِ منزِلةً يومَ القيامةِ ، الرجلُ يُفضِي إلى امرأتِه وتُفضِي إليهِ ، ثُم يَنشرُ سِرَّهَا** "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بُرا شخص وہ ہو گا جو اپنی بیوی (سے ہم بستری) کا ارادہ کرے اور اس کی بیوی اپنے شوہر کا ارادہ کرے اور پھر وہ شخص اس کے راز کو فاش کر دے"۔ اسی طرح جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الْمَجَالِسُ بِالأَمَانَةِ إِلاَّ ثَلاَثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ**

أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ "ملاقاتیں امانت ہوتی ہیں سوائے تین کے، وہ جو ناجائز طریقے سے خون بہانے کیلئے ہو، یا زناکاری کیلئے ہو یا ناحق مال حاصل کرنے کیلئے ہو" (ابوداؤد)۔

عام طور پر راز کھلنے کا معاملہ اس وقت اٹھتا ہے جب بیوی شوہر کے احسانات کا دانستہ انکار کرے، اسی لیے حق تعالیٰ نے بیوی پر مرد کے احسانات کے انکار کو حرام کیا ہے اور آپ ﷺ نے اسے ناشکری سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ جابرؓ فرماتے ہیں: **شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الصَّلاَةَ يَوْمَ الْعِيدِ فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى بِلاَلٍ فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَحَثَّ عَلَى طَاعَتِهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ ثُمَّ مَضَى حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ فَقَامَتْ امْرَأَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ لِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ قَالَ فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ يُلْقِينَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ مِنْ أَقْرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِمِهِنَّ**

"مجھے آپ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا، آپ ﷺ نے خطبہ سے پہلے اذان واقامت کے بغیر نماز پڑھائی، پھر بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم فرمایا، اور اس کی اطاعت کی ترغیب دی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کی، پھر خواتین کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بھی وعظ ونصیحت کی، اور انہیں کہا تم صدقہ دیا کرو، کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہو۔ اس پر مجمع کے بیچ سے ایک کالے گالوں والی عورت کھڑی ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: کیونکہ تم شکوہ شکایات زیادہ کرتی ہو، اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ چنانچہ پھر عورتیں اپنا زیور میں سے بالیاں اور انگوٹھیاں صدقہ کرتے ہوئے بلالؓ کی جھولی میں ڈالنے لگیں" (مسلم)۔ **سِطَةِ النِّسَاءِ** "درمیانی عورت" کا مطلب ہے عزت اور نسل کے اعتبار سے درمیانی عورت۔ **سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ** "گالوں پر گہرے دھبے والی" کا مطلب ہے کہ اس کے گال کالے تھے، **الشَّكَاةَ** کا مطلب ہے شکایت کرنا اور لفظ **الْعَشِيرَ** سے مراد شوہر ہے، یعنی گھر میں ساتھ رہنے والا۔

اور ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بقر عید یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کا گزر عورتوں کے پاس سے ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: **يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ**

الِاسْتِغْفَارَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ " . فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ . قَالَ " تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ " اے عورتو! صدقہ دیا کرو اور بہت زیادہ استغفار کیا کرو کیوں کہ میں نے تمہاری اکثریت کو جہنم میں دیکھا ہے۔ان میں سے ایک عورت نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے کہ ہم میں سے اکثر جہنم میں ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کے احسانات کی ناشکری کرتی ہو" (متفق علیہ)۔ حدیث میں **رَأَيْتُكُنَّ** "میں نے تمھیں دیکھا ہے" وحی کے ذریعے مطلع کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

لہذا بات بات پر بگڑنا، لعن طعن کرنا اور شوہر کی ناشکری کرنا یعنی اس کے احسانات کو بھلانا اور رازوں کا افشاء کرنا، کو اسلام نے کسی شک کے بغیر واضح طور پر حرام کیا ہے اور اسلام نے ان ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے کیونکہ یہ برائیاں ازدواجی زندگی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان سب محرمات یا ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عورت اپنے شوہر سے مطمئن نہیں بلکہ متنفر ہے جو یقیناً طلاق کا سبب ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر مرد اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کا حق ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتا ہے تو عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ زندگی کے معلاملات میں سے کسی کے بھی متعلق شکایت کرے۔ اور اگر کوئی عورت رہائش، گھریلو سامان مثلاً پردوں کی تبدیلی وغیرہ کے بارے میں اور ضروری یا غیر ضروری درخواستوں کی تکمیل کے متعلق شکایتی رویہ اختیار کرتی ہے، یا خرچے میں زیادتی کا مطالبہ یا اس کے کم ہونے کی شکایت، بیماری، سیاحت، باہر آنے جانے حتیٰ کہ کھانے کی کمی یا کام کاج زیادہ ہونے اور خادم اور نوکر کی سہولت نہ ہونے کی شکایت کرتی ہے تو اسے جان لینا چاہیے ان تمام میں بڑبڑانے اور بگڑنے کا اسے کوئی حق نہیں۔ اس کے لیے ان تمام امور میں شکایتیں کرنا جائز نہیں، البتہ اگر نرم الفاظ میں اپنا جائز مطالبہ پیش کرے، تو یہ جائز ہے۔

ہم شوہر کے احسانات کی ناشکری سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾** "**اور اگر تم ناشکری کروگے تو میری پکڑ بہت سخت ہے**" (ابراہیم: 7)۔ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "یعنی اگر تم نے میرے حق کا انکار کیا" اور بعض علما نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ "اگر تم

نے میری نعمتوں کو جھٹلایا" .... لہٰذا ناشکری دراصل اللہ کے حق اور اس کے فضل سے انکار کو کہا جاتا ہے، اور اللہ اور رسول ﷺ نے بیوی کی طرف سے شوہر کے حق کا انکار کرنے اور اس کی طرف سے ملنے والی آسائشوں اور نعمتوں کی ناشکری کرنے کو حقوق اللہ کا انکار فرمایا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے مابین تعلقات، نسل میں اضافے، ان کے باہمی تعلق، شفقت، نسب اور ازدواجی رشتہ وقرابت کے لیے ایک نظام قائم کیا ہے اور یہ سب کچھ شادی کے رشتے پر مبنی ہے اور اس رشتے کی بنیاد خدا تعالیٰ نے اس ذمہ داری کو بنایا ہے کہ مرد بیویوں کی کفالت اور ذمہ داری کا بوجھ اپنے سر لیں۔ وہ تمام فرائض وواجبات کہ جو دنیاوی زندگی میں مرد پر عائد ہوتے ہیں، اگر مرد انہیں بخوبی ادا کرے تو اس پر ایک اور اصول مرتب ہوتا ہے جس کی بنیاد پر آدمی کو یہ تمام تر بوجھ اٹھانے کا انعام ملتا ہے، وہ انعام یہ ہے کہ بیوی پر اس کی مکمل اطاعت واجب قرار دی ہے۔ یعنی اللہ عزوجل نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ اگر آدمی دنیا میں اپنا معاملہ خوش اسلوبی سے پورا کرے تو اس کے کچھ بوجھ ہلکا ہلکے کر دیے جائیں، تاکہ وہ مایوس یا دل شکستہ نہ ہو، وہ تمام کی تمام ذمہ داریوں یا ان میں سے اکثر سے دستبردار نہ ہو جائے، یا ان میں سے سب سے بھاری ذمہ داری سے یعنی کہ نکاح کی ذمہ داری۔

اللہ تعالیٰ نے مرد پر تخفیف کی خاطر بیوی پر بہت سی چیزیں فرض کیں، اور اللہ کا یہ فرض کرنا ہی عین عدل وانصاف ہے تاکہ نکاح کے نظام کو جس مقصد کے لیے بنایا ہے اس مقصد کو نکاح ہی کے لیے محفوظ رکھے نہ کہ فقط جنسی خوشی کی خاطر جو بالآخر مٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیوی کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کو تفریح وراحت مہیا کرے اور اللہ نے اسی راحت وآرام اور شوہر کی فرماں برداری کو ازدواجی زندگی کی بنیاد بنا دیا، اسی طرح جیسے کہ مرد پر بیوی کی نگہداشت کو لازم کیا، کیوں کہ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا جو اس کی فرماں برداری نہ کرے، چنانچہ اگر دوکان کے مالک کوئی شراکت دار ہے کہ جس سے وہ متفق نہیں تو دو باتوں میں سے ایک معاملہ ضرور ہوگا، یا تو وہ دوکان کو بیچ کر شراکت ختم کر دے گا یا تجارت ایسے ہی جاری رکھے گا لیکن اس دوسری صورت میں اس کے کام پر منفی اثر پڑے گا۔ اسی طرح کوئی بھی شخص جس کا ماتحت اس کی بات مان کر نہیں چلے گا تو وہ اسے ہٹا دے گا، چاہے وہ اس کے لیے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر بیٹا باپ کی نافرمانی کرے گا تو باپ اسے گھر سے نکال

دے گا اور اس سے رخ پھیر لے گا۔ اسی طرح بیوی کا معاملہ ہے کہ اس کے لیے اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا قطعی طور پر حرام ہے کیوں کہ اس سے ، شاذ و نادر معاملات کے سوا، ناگزیر طور پر ازدواجی رشتہ منقطع ہو جائے گا، جیسا کہ دو شراکت داروں کی شراکت داری ختم ہو جاتی ہے۔ پس اگر اسلام میں شوہر کی نافرمانی جائز ہوتی، جیسا کہ مغربی معاشرے میں آخری صدی میں اس کی اجازت دے دی گئی ہے، تو وہ تمام کی تمام اقدار گر جائیں گی جن کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور گھرانے کا وہ تصور ختم ہو جائے گا جس سے ہم واقف ہیں۔ یہاں فی الحال اس مغربی معاشرے اور گھرانوں کے احوال و جزئیات پر گفتگو ممکن نہیں کہ جس کی بنیاد زنا کے جائز ہونے پر کھڑی ہے۔

بیوی کا اپنے شوہر کی فرماں برداری کرنا، نہ انسان کی طرف سے بنایا گیا کوئی قانون ہے اور نہ ہی یہ کوئی رسمی رواج ہے بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے عائد کردہ فرض ہے اور عورت کا اس فرض کو ماننا اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اللہ عزوجل کی طرف سے لازمی کیا گیا ہے، مردوں کی طرف سے نہیں۔ اگر عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرے اور وہ شوہر اس عورت کو طلاق بھی نہ دے حالانکہ مرد کے پاس عورت کے لیے طلاق کے سوا اور کوئی سزا نہیں تو اس صورت میں عورت پر اس گناہ کی سزا قیامت کے دن تک موقوف رہتی ہے تا آنکہ روز قیامت اسے اس گناہ (شوہر کی نافرمانی) کی پوری پوری سزا مل کر رہے گی۔ عورت کو شریعت میں جو شوہر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے یہ عورت پر کوئی فضول اور زائد بوجھ نہیں بلکہ عورت پر یہ ذمہ داری اس وجہ سے ڈالی گئی ہے کیونکہ مرد بھی اس کی رعایت و نگہبانی کے فرائض سر انجام دیتا ہے، چنانچہ دونوں کی ذمہ داریاں ایک دوسرے کے متوازی ہو جاتی ہیں، لیکن مرد پر صرف یہی ایک بوجھ نہیں کہ وہ اپنے گھرانے کی کفالت اور نگہبانی کے فرائض سر انجام دیتا رہے، بلکہ اس پر تو اللہ کی طرف سے اس سے بھی زائد بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، چنانچہ بیوی کی اطاعت اور دلجوئی مرد کے لیے اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں ایندھن کا کام کرتی ہے تا کہ وہ ہر وقت تازہ دم رہ کر زندگی کی دیگر ذمہ داریوں کو بھی بخوبی سر انجام دے سکے، لیکن اگر عورت اپنی یہ ذمہ داری پوری ہی نہ کرے تو اس نے مرد کو اس ایندھن سے محروم کر دیا جس کی بناء پر وہ تازہ دم رہ کر اپنی ذمہ داریاں نبھاتا رہتا ہے۔ آدمی شادی کے بغیر زندگی کے دیگر بوجھ سنبھال سکتا ہے اور شادی کے بعد بھی اگر بیوی کما حقہ اس کی فرمانبرداری کرے تو وہ زندگی کے اور بوجھوں کے ساتھ ساتھ ازدواجی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی آسانی سے

اٹھا سکتا ہے، تاہم اگر بیوی نافرمان ہو جائے تو یہ مرد کی برداشت سے زیادہ بوجھ ہے اور وہ روزمرہ کے امور بھی ٹھیک سے ادا نہیں کر پائے گا، پس اللہ جل شانہ نے بیوی پر شوہر کی اطاعت کو فرض کیا اور اللہ سب سے بہترین جاننے والا ہے۔

امت کے وجود اور دین کے احکامات کے نفاذ کے راستے میں بیوی کی نافرمانی بہت بڑی رکاوٹ ہے اسی لیے اللہ تعالی نے شوہر کی اطاعت کو تمام حقوق پر مقدم رکھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے آسمان وزمین میں اس بات کو لکھ دیا کہ نافرمان بیوی کی دعاء اور پکار کو اس کے کانوں کے علاوہ کوئی بھی نہ سنے، پھر نہ اس کی دعاء کوئی فرشتہ لکھتا ہے نہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالی کے حق کی دانستہ منکر ہوئی ہے اور یہ ناشکری ہے۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: **﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾"اور اگر تم ناشکری کروگے تو میری پکڑ بہت سخت ہے"**(ابراھیم:7)۔ اس کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں: یعنی اگر تم میرے حق کا انکار کروگے۔ بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا اللہ کے حقوق کا انکار ہے، یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے، تو جس عورت نے بھی اپنے شوہر کی نافرمانی کی ہے، کیا وہ روز قیامت اللہ کے حق کے انکار کی سزا سے بچ پائے گی؟

اب تک جتنی بات ہوئی وہ اللہ کے حق سے متعلق تھی، اب ہم اللہ کی نعمتوں کے انکار کے حوالے سے کچھ جائزہ لیتے ہیں۔ اکثر لوگ اللہ کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے نہ ان کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک تندرست جسم کا مالک بیماری کی صعوبت کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ اس پر بیماری نہ آئے، اور بینا شخص اپنے اور نابینا کے درمیان زندگی کے فرق کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا، اس باب میں مثالیں بے شمار ہیں، لہذا اسی طرح شادی اللہ جل شانہ کی طرف سے مردوں اور عورتوں پر ایک نعمت ہے جس طرح یہ زندگی تمام انسانوں کے لیے ایک نعمت ہے۔ مگر کوئی تنگ نظر اپنی غیر فطری سوچ سے یہ نظریہ قائم کرلیتا ہے کہ زندگی انسان کے لیے تکلیف ہے لہذا وہ اس سے جان چھڑانے کے لیے خودکشی کرلیتا ہے حالانکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ اس فعل کی سزا دائمی عذابِ جہنم ہے، اس کے باوجود وہ اپنے اس فعل سے باز نہیں آتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نعمتوں کی برسات کی تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تو ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی حدود قائم کردیں اور ان نعمتوں کی ناشکری کو حرام کیا اور یہ بھی حرام کیا کہ

ظلم وجبر پر قدرت وطاقت ہونے کے سبب کسی کو ان نعمتوں سے محروم کیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنی نعمتوں کے حصول کے واسطے ہر شخص کو آزادی دیدی تاکہ وہ جائز طریقے سے ان سے فائدہ حاصل کرے، جتنا اسے ضرورت ہے، چاہے فائدہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر کسی نعمت کا فائدہ اپنی ذات تک منحصر ہو اور کسی کا حق اس سے متعلق نہ ہو تو اس کے لیے اس نعمت سے فائدہ اٹھانا اور نہ اٹھانا دونوں جائز ہے۔ مثلا: سیب اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کے کھانے میں کسی دوسرے کا حق معلق نہیں تو انسان کے لیے سیب کا کھانا اور نہ کھانا دونوں جائز ہیں۔ رات کو آسمان میں ستارے دیکھنا یا کتاب پڑھنے کے لیے صفحے کو دیکھنا نعمت ہے اور جائز ہے مگر پڑوسی کی خاتون پر نظر اٹھانا حرام ہے۔ اسی طرح نکاح جو ہماری بحث کا موضوع ہے وہ بھی ایک نعمت ہے مگر اس نعمت میں دو حقوق، دو واجبات اور دو ذمہ دار افراد یعنی شوہر اور بیوی ہیں۔

پس جب آدمی اور عورت کے درمیان نکاح ہو گیا تو گویا دونوں پر خدا کی نعمت پوری ہو گئی اور اگر ان دونوں کا نکاح ختم ہو گیا تو اللہ کی نعمت بھی ختم ہو گئی کیونکہ اس نعمت کا منبع ازدواجی رشتہ تھا، فقط مرد یا عورت کا وجود نہیں۔ چنانچہ اس نعمت کی حفاظت کی خاطر اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو ازدواجی رشتے کو قائم رکھنے کا حکم دیا۔ اگر مرد نے اپنی بیوی پر ظلم کیا تو وہ بیوی کو اللہ کی طرف سے عطا کی گئی نعمت سے محروم کرنے کا مرتکب ہوا چنانچہ آخرت میں وہ اللہ کے عذاب کا مستحق ٹھہرا اور دنیا میں ظلم کرنے کی وجہ سے خود کو اللہ کی سزا کا مستحق بنا ڈالا، لیکن عام طور پر مرد کا عورت پر ظلم کرنا متوقع نہیں ہوتا کیوں کہ مرد شرعی اعتبار سے ظلم کی حدود تک پہنچ جائے، یہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات جو ازدواجی رشتے کو منظم بناتی ہیں مرد کے ظلم کو بڑی آسانی سے روک دیتی ہیں، اس لیے ایک اسلامی معاشرے میں مرد کا ظلم عورت کیلئے طلاق کی نوبت تک پہنچے، یہ شاذ و نادر ہے۔

بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا ازدواجی رشتے کو برقرار رکھنے کی اصل ضمانت ہے اور یہی ضمانت مرد و عورت پر نعمتِ نکاح کی تکمیل کا سبب ہے، جو اللہ کی طرف سے انھیں عطا کی گئی ہے۔ عورت کا نیک اور فرماں بردار ہونا تمام نعمتوں اور خزانوں سے بہتر ہے۔ لیکن اگر مرد کے لیے اس کی فرماں برداری مفقود ہو جائے تو اللہ کی نعمت ختم ہو جاتی ہے۔ عموماً میاں کا بیوی کی نافرمانی کو برداشت کرنا مشکل ترین معاملہ ہوتا ہے۔ اکثر بیوی کی نافرمانی طلاق اور اس نعمت کے ختم

ہونے کا سبب بنتی ہے جس سے اللہ نے مرد و عورت کو نوازا ہے۔ بیوی کی نافرمانی کے نتیجے میں نکاح کا ختم ہونا دراصل نعمتِ الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے، اور یہی چیز بیوی کی طرف سے نعمتِ الٰہی کا انکار ہے، جو کہ حقیقت میں شوہر کی شکل میں موجود تھی۔ پس شوہر کی شکر گزاری کا انکار اللہ کی نعمت کے انکار کا سبب ہے، جس کا اظہار شوہر کی نافرمانی کی شکل میں ہوا، جو اللہ کی طرف سے حرام ہے۔ چنانچہ شوہر اللہ کی نعمت ہے اور اس کی ناشکری اللہ کی نعمت کا انکار ہے جو کہ کفر ہے۔ اللہ تعالی نے سورۂ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿**وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ**﴾ **"اور اگر تم ناشکری کروگے تو میری پکڑ بہت سخت ہے"** (ابراہیم: 7)۔ قرطبیؒ کا قول ہم دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں: **"كَفَرْتُمْ** کا مطلب ہے 'اگر تم میرے حق کا انکار کروگے'، اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ 'اگر تم نے میری نعمتوں کا انکار کیا"۔ لہذا شوہر اور ازدواجی رشتہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہیں اور شوہر کی ناشکری ازدواجی رشتہ کا انہدام ہے اور اس کی نافرمانی اسے رشتہ زوجیت میں اس کے حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے اور بعض اوقات تو مرد اس بناء پر بہت سی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ نکاح کوئی ایک نعمت تو نہیں اور نہ ہی یہ کسی نعمت کا حصہ ہے، بلکہ یہ تو نعمتوں کا پہاڑ اور عمارت ہے جو انسان کو بہت سے شرور سے محفوظ رکھتا ہے، اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ازدواجی رشتے میں نعمتیں کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہیں۔

اور جب اللہ کی نعمتوں کا دانستہ انکار کرنا کفر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے تو کیا کوئی بیوی اپنے شوہر کی ناشکری کے سبب اس بے شمار نعمتوں والے رشتے کو تباہ کرنے سے اللہ کے عذاب سے بری ہو سکتی ہے؟ اور کیا وہ ان نعمتوں کے انہدام اور نعمتوں کی کثرت سے انکار کے سبب اللہ کی سزا سے بچ سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **لا يَنظرُ اللَّهُ إلى امرأةٍ لا تَشكرُ لزوجِها وَهيَ لا تَستَغني عنهُ "اللہ عزوجل اس عورت پر نظر کرم نہیں کرے گا جو اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہے جبکہ وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی"**۔ لہٰذا شکر ادا کرنا ابتدائی طور پر کسی ایک یا بہت ساری نعمتوں سے شروع ہوتا ہے، چنانچہ حدیث مبارکہ میں مذکور "اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت پر بے شمار نعمتوں کا سبب شوہر ہے، اور "اللہ عزوجل اس عورت پر نظر کرم نہیں فرماتا" کا مطلب ہے کہ اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ "اپنے شوہر کا شکر نہیں کرتی" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی فرماں برداری

نہیں کرتی کہ جس سے وہ راضی ہو جائے۔ اللہ کا شکر یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے اور شوہر کا شکر ادا کرنا بھی ایسا ہی ہے جس طرح والدین کا شکر ادا کرنا ضروری ہوتا ہے یعنی شوہر کی اس طرح شکر گزاری کہ جو اس کی دلی خوشی کا باعث ہو اور یہ فرمانبرداری ظاہری پہچان کے ساتھ ہو۔

فہرست

خلافت کے قیام سے دنیا میں حاصل ہونے والی برکتیں

خلیل مصعب-پاکستان

افغانستان میں امریکہ کی ذلت آمیز شکست کے بعد اسلامی حکمرانی کی واپسی کی بحث عام ہو گئی ہے۔ انسان کے بنائے قوانین اور نظاموں کے ذریعے مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال میں ناکامی کے بعد اسلامی شریعت کے نفاذ کی حمایت زور پکڑ چکی ہے۔ لیکن اسلام کے ذریعے حکومت کرنے کی فرضیت پر موجود الہامی دلائل کے باوجود کچھ حلقوں میں شرعی احکامات کے نفاذ کی سوچ کو پسند نہیں کیا جا رہا۔ شاید اس کی وجہ خلافت کے خاتمے سے لیکر اب تک، پچھلی ایک صدی ہجری کے دوران امت پر حکومت کرنے والی کئی ظالمانہ اور جابرانہ حکومتوں کی جانب سے شریعت کا مسخ شدہ اور غلط نفاذ ہے۔

یہ ناپسندیدگی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ شریعت اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب سے ہے اور ہر وہ چیز جس کا اللہ سبحانہ وتعالی نے حکم دیا ہے وہ اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآن میں فرمایا، ﴿**هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ**﴾ "کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ ہے" (سورۃ الرحمان: 60)۔ طبری نے اس پر تبصرہ کیا، هل ثواب خوف مقام الله عزّ وجلّ لمن خافه، فأحسن في الدنيا عَمله، وأطاع ربه، إلا أن يحسن إليه في الآخرة ربُّهُ "جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرتا ہے، اس دنیا میں اچھے اعمال کرتا ہے اور اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے، کیا اس کیلئے اللہ سے ڈرنے کا اس کے علاوہ کوئی اجر ہے کہ اس کا رب آخرت میں اس کے ساتھ بھلائی کر دے؟"

اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب سے دیے گئے کچھ احکامات جو ان شاءاللہ آنے والی خلافت میں نافذ ہوں گے، اس بات کی یقین دہانی کرتے ہیں کہ شریعت آخرت میں خیر کا باعث بننے سے پہلے اس دنیا میں بھی خیر کا باعث بنتی ہے۔

ایک حکمران تلے مسلم امت کی وحدت

امت کیلئے کئی ریاستوں میں تقسیم ہونا جائز نہیں۔ ان کیلئے ایک ریاست اور ایک حکمران تلے وحدت اختیار کرنا لازم ہے۔ حزب التحریر نے اپنے مقدمہ الدستور کی شق 22 میں تبنی کیا، [جہاں تک خلیفہ کے ایک ہونے کا تعلق ہے، تو ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا: **إِذَا بُوِيعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الآخَرَ مِنْهُمَا ، "جب دو خلفاء کی بیعت ہو جائے تو بعد والے کو قتل کر دو"** (مسلم)، اور یہ مسلمانوں پر ایک سے زائد خلفاء کے موجود ہونے پر واضح ممانعت ہے]۔

ایک ہی حکمران کی حکمرانی کا حکم صحابہ اکرامؓ بخوبی جانتے تھے۔ جب مسلمان بنی ساعدہ کی طرف جمع ہوئے تاکہ اگلا حکمران چن لیں تو یہ مشورہ دیا گیا کہ دو حکمران چن لیے جائیں۔ بخاری نے روایت کیا کہ انصار نے کہا: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ "ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے"۔ لیکن ابو بکرؓ نے کہا: وإنه لا يحل أن يكون للمسلمين أميران ؛ فإنه مهما يكن ذلك يختلف أمرهم ، وأحكامهم ، وتتفرق جماعتهم ، ويتنازعوا فيما بينهم ، هنالك تترك السنة ، وتظهر البدعة ، وتعظم الفتنة ، وليس لأحد على ذلك صلاح ،"مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان کے دو امیر ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو ان کے امور اور فیصلوں میں اختلاف ہو جائے گا، وحدت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور ان کے درمیان تنازعات کھڑے ہو جائیں گے۔ اس سے سنت ترک ہو جائے گی، بدعت جنم لے لے گی اور فتنہ پھیل جائے گا۔ یہ کسی کیلئے بھی اچھا نہیں ہو گا"(ابن اسحاق)۔

امام ماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں کہا: وَإِذَا عُقِدَتِ الْإِمَامَةُ لِإِمَامَيْنِ فِي بَلَدَيْنِ لَمْ تَنْعَقِدْ إِمَامَتُهُمَا؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِلْأُمَّةِ إِمَامَانِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ. "اگر دو مختلف علاقوں میں دو الگ امام مقرر ہوں تو ان کی قیادت باطل ہے کیونکہ امت کیلئے بیک وقت دو اماموں کا ہونا جائز نہیں۔۔۔"۔

امام غزالی نے اس معاملے پر الاقتصاد فی الاعتقاد میں کہا: وعلى الجملة لا يتمارى العاقل في أن الخلق على اختلاف طبقاتهم وما هم عليه من تشتت الأهواء وتباين الآراء لو خلوا

وراءهم ولمي كن رأي مطاع يجمع شتاتهم لهلكوا من عند آخرهم، وهذا داء لا علاج له إلا بسلطان قاهر مطاع يجمع شتات الآراء،"... کسی ذی عقل شخص کو اس میں شک نہیں کہ اگر انسانیت کو اس کے تمام تر طبقاتی اختلافات، متنوع خواہشات اور اختلافی آراء کے ساتھ، کسی متحد کرنے اور اطاعت گزار بنانے والے قوانین کے بغیر، اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ سب کی تباہی پر منتج ہو گا۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ ایک مضبوط سلطان ہو جس کی اطاعت کی جائے اور جو مختلف آراء کو ایک کر دے"۔

لیکن آج امت ایک خلیفہ کے بغیر ہے جو اسے وحدت بخشے۔ عصبیت نے مسلمانوں کے اذہان کو متاثر کر دیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں فتنہ اور تفریق آچکی ہے۔ اسی تفریق نے امت کو کمزور اور بے سہارا بنا کر کفار کے آگے ترنوالہ بنا دیا ہے۔ امت کو وحدت دینے کی ضرورت آج پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہے اور یہ وحدت صرف شرعی احکامات جاری کرنے اور خلافت کے دوبارہ قیام سے ہی حاصل ہو گی جس کی حکمرانی ایک خلیفہ کے ہاتھ میں ہو گی۔

کفر طاقتوں کے ساتھ فوجی اتحاد کا خاتمہ

موجودہ مسلم ریاستوں کو ایک طاقتور ریاست کی شکل میں یکجا کرنے اور خلافت کے دوبارہ قیام کے ذریعے مسلمانوں کو طاقت بخشنے کی بجائے مسلمانوں کے حکمران ان ریاستوں کے ساتھ نقصان دہ فوجی اتحاد بناتے ہیں، جو ریاستیں مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں، جیسے امریکہ اور چین۔ مقدمہ الدستور کی دفعہ 190 میں حزب التحریر نے تبنی کی ہے، "عسکری معاہدات عسکری نوعیت کے دوسرے معاہدات یا عسکری معاملات سے ملتے جلتے معاہدات جیسا کہ سیاسی معاہدات اور فوجی اڈے یا ہوائی اڈے کرایہ پر دینے کے معاہدات بالکل ممنوع ہیں"۔

کفار کی قیادت اور جھنڈے تلے لڑنا مسلمانوں کیلئے حرام کیا گیا ہے۔ حنفی فقہ کے امام سرخسی نے 'کتاب السیار' کے باب 'المبسوط' میں بیان کیا: من حديث الضحاك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج يوم أُحد فإذا كتيبة حسناء أو قال خشناء فقال: من هؤلاء؟ قالوا: يهود كذا وكذا فقال: لا نستعين بالكفار» وتأويله أنهم كانوا متعززين في أنفسهم لا

يقاتلون تحت راية المسلمين، وعندنا إنما نستعين بهم إذا كانوا يقاتلون تحت راية المسلمين، فأما إذا انفردوا براية أنفسهم فلا يستعان بهم، وهو تأويل ما روي عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال: **«لا تَستَضيئوا بنارِ المُشرِكين »** رواه أحمد والنسائي من طريق أنس "ضحاکؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ احد کے دن نکلے تو اچانک ایک زبردست فوجی دستہ آیا، یا شاید انھوں نے سخت جُودستہ کہا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ لوگ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: فلاں فلاں قبیلے کے یہودی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم کفار کی مدد قبول نہیں کرتے۔ آپ ﷺ کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ وہ الگ اکائی کے طور پر لڑ رہے تھے، نہ کہ مسلمانوں کے جھنڈے تلے۔ ہم مسلمان کفار کی مدد صرف تب قبول کرتے ہیں اگر وہ مسلمانوں کے جھنڈے تلے لڑنا قبول کریں، لیکن اگر وہ اپنے جھنڈے تلے الگ سے لڑنا چاہیں تو ہم ان کی کوئی مدد قبول نہیں کرتے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کے معنی ہیں: **لا تَستَضيئوا بنارِ المُشرِكين**، "مشرکین کی آگ سے روشنی بھی نہ لو"۔ اسے احمد اور نسائی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا"۔ (اقتباس ختم ہوا)۔

آگ جنگ کیلئے ایک استعارہ ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: أوقَدَ نار الحرب، "اس نے جنگ کی آگ جلائی" یعنی اس نے اس برائی کو شروع کیا اور اس پر ابھارا۔ جاہلیت میں کسی سے اتحاد بناتے ہوئے، عرب ڈرانے دھمکانے کی آگ بھڑکاتے تھے۔ اوپر بیان کردہ حدیث مشرکین سے مل کر جنگ کرنے اور ان کی رائے لینے کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس سے مشرکین کے ساتھ مل کر لڑنے کی حرمت واضح ہے۔ پس یہ واضح ہو گیا کہ اسلام میں کفار کی ریاستوں کے ساتھ فوجی اتحاد بنانا حرام ہے، اور ایسا کسی صورت نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی حربی کافر کے دفاع میں اپنا خون بہائے۔ مسلمان کفار سے صرف اس لیے جنگ کرتا ہے تاکہ وہ کفر سے اسلام میں داخل ہو جائیں یا اسلام کی اتھارٹی تلے رہ کر جزیہ دیں۔

آج امت سخت پریشانی میں مبتلا ہے کیونکہ اس کے حکمران ان استعماری طاقتوں کے ساتھ فوجی اتحاد قائم کر رہے ہیں جو مسلم علاقوں پر قابض ہیں، مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اسلام کے خلاف جنگ کا علم بلند کیے ہوئے ہیں۔ وہ

اسلام کے دشمنوں سے دوستیاں کرتے پھرتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبردار کیا: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ "اور وہ جو کفار ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا"** (الانفال: 73)۔ ابنِ کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: إن لم تجانبوا المشركين وتوالوا المؤمنين ، وإلا وقعت الفتنة في الناس ، وهو التباس الأمر ، واختلاط المؤمن بالكافر ، فيقع بين الناس فساد منتشر طويل عريض ،"... کہ اگر تم مشرکین کو چھوڑ کر صرف مومنین کے ساتھ اتحاد نہ بناؤ گے، تو لوگوں میں فتنہ پھیل جائے گا۔ معاملات خلط ملط ہو جائیں گے اور مؤمنین کفار کے ساتھ میل جول بڑھائیں گے جس کے نتیجے میں زبردست اور وسیع و عریض فساد لوگوں میں جنم لے لے گا"۔

خلافت میں مردوں اور عورتوں کا تعاون

مرد اور عورت، دونوں کیلئے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانا فرض ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت 71 میں فرمایا: **وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ،"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو گی، بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے"**. کچھ ذمہ داریاں صنف سے قطع نظر مردوں اور عورتوں کے درمیان مشترک ہیں۔ مثلاً تمام مردوں اور عورتوں کیلئے نماز، روزہ کی ادائیگی اور دین سیکھنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **طَلَبُ العلمِ فريضةٌ على كل مسلمٍ ،"(دین کا) علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے"** (ابنِ ماجہ)۔

مقدمہ الدستور کی دفعہ 114 میں حزب التحریر نے تبنی کی، "عورت کو بھی وہی حقوق دیئے جائیں گے جو مردوں کو دیئے جاتے ہیں، اس کے بھی وہی فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جو مردوں کی ہیں۔ تاہم اسلام نے کچھ احکامات

خصوصی طور پر عورتوں کے ساتھ مخصوص کیے ہیں یا شرعی دلیل کے مطابق مردوں کے ساتھ خاص کیے ہیں وہ الگ ہیں۔ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تجارت کرے، زراعت یا صنعت سے وابستہ ہو جائے، معاہدات اور معاملات کو نبھائے، وہ ہر قسم کی املاک کی مالک بن سکتی ہے، خود یا کسی کے ذریعے اپنے اموال کو بڑھا سکتی ہے، خود براہِ راست زندگی کے تمام امور کو انجام دے سکتی ہے"۔

جہاں کچھ احکامات کسی ایک صنف کے ساتھ مخصوص نہیں، وہاں کچھ احکامات مردوں اور عورتوں کیلئے الگ الگ بھی ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں اور عورتوں پر یکساں ذمہ داری عائد کی ہے۔ اس کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے مرد اور عورت کیلئے معاشرے میں الگ الگ کردار کا تعین کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، جہاد میں قتال مردوں پر فرض ہے، عورتوں پر نہیں۔ احمد اور ابنِ ماجہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا جنھوں نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ! کیا جہاد خواتین کیلئے بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لاَ قِتَالَ فِيهِ: الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ**، **"ہاں، ان کیلئے وہ جہاد ہے جس میں قتال نہیں، یعنی حج اور عمرہ"**۔

شادی کے بندھن کی ذمہ داری کے لحاظ سے شریعت نے مرد، یعنی شوہر اور والد پر نفقہ مہیا کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور یہ عورت، یعنی بیوی یا ماں پر فرض نہیں اور اس عورت کا کمایا گیا کوئی بھی مال صرف اسی کا ہے۔ اس کی دلیل سورۃ النساء کی آیت 34 ہے: **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ** **"مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس فضل کی وجہ سے جو اللہ نے عورتوں کے مقابلے میں ان پر کیا ہے اور ان پر نفقہ مہیا کرنے کی ذمہ داری ہے"**۔

بحیثیت بیوی اور ماں کے، یہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کا خیال رکھے، جبکہ بچوں کی پرورش اسی کا حق ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے: أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و شلم: **أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي**، "ایک

عورت نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میرا پیٹ اس بیٹے کے لیے برتن تھا، گود اس کے لیے محفوظ جگہ ہے، اور میرے سینے اس کیلئے سیرابی کی جگہ ہے، اس کے والد نے مجھ طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے لے لینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **اس پر تمھارا زیادہ حق ہے جب تک تم دوبارہ شادی نہیں کر لیتی** "(ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا اور ذہبی نے تصدیق کی)۔

لہٰذا مرد اور عورت آپس کے تعاون سے شادی کے بندھن کی وجہ سے ایک دوسرے کے مددگار بنتے ہیں، جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** ،"...**وہ عورتیں تمھارا لباس ہیں اور تم ان (عورتوں) کا لباس ہو...**"(البقرۃ:187)۔

مرد وعورت کی ان کی صنف کے ساتھ مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ، دونوں کیلئے سیاست میں شمولیت، حکمران کا احتساب کرنا، سرکاری ملازمت یا بطور قاضی ملازمت کرنا، عوامی معاملات میں شامل ہونا جائز ہے۔ یہ دلائل کے عمومی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس طرح سے مومن مرد اور مومن عورتیں دونوں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کو پورا کرتے ہیں۔

ملکیتِ عامہ لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کیلئے درکار کثیر محاصل کو یقینی بناتی ہے

مقدمہ الدستور کی دفعہ 129 میں حزب التحریر نے تبنی کی ہے،" عوامی ملکیت سے مراد عوام کو مشترکہ طور پر کسی عین سے فائدہ اٹھانے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے"، اور دفعہ 137 میں بیان کیا،" تین طرح کی اشیاء عوام کی ملکیت ہوتی ہیں: ا) ہر وہ چیز جو اجتماعی ضرورت ہو جیسے شہر کے میدان، ۔ب) ختم نہ ہونے والی معدنیات جیسے تیل کے کنوئیں۔ ج) وہ اشیاء جو طبعی طور پر افراد کے قبضے میں نہیں ہوتی جیسے نہریں"۔

سرمایہ داریت اور اشتراکیت کے برخلاف، اسلام نے توانائی اور معدنیات کو نجی یا ریاستی ملکیت کی بجائے تمام مسلمانوں کی عوامی ملکیت بنایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **المسلمون شركاء في ثلاث الماء والكلاء والنار "مسلمان تین (چیزوں) میں شراکت دار ہیں، پانی، چراگاہیں اور آگ (توانائی)"** (ابوداؤد)۔

شمس الائمہ سرخسی (متوفی 483)، جو اول دور کے حنفی علماء میں سے ہیں، المبسوط میں کہتے ہیں: ولو استأجر بئرا شهرين ليسقي منها أرضه وغنمه لم يجز، وكذلك النهر والعين؛ لأن المقصود هو الماء وهو عين لا يجوز أن يتملك بعقد الإجارة، ولأن الماء أصل الإباحة ما لم يحرزه الإنسان بإنائه وهو مشترك بين الناس كافة قال صلى الله عليه و سلم **«الناس شركاء في الثلاث في الماء والكلأ والنار»** فالمستأجر فيه والآخر سواء؛ فلهذا لا يستوجب عليه أجر بسببه، "اگر کوئی دو ماہ کیلئے ایک کنویں کا سودا کرے تاکہ اپنی زمین کو پانی لگائے اور جانوروں کی پیاس بجھائے، تو یہ جائز نہیں۔ اسی طرح دریا اور نہریں بھی، کیونکہ ان تمام معاملات میں جس چیز پر سودا ہو رہا ہے وہ پانی ہے، جس کی سودے کے ذریعے ملکیت حاصل کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں، پانی کیلئے اصل حکم (تمام لوگوں کیلئے) اباحت کا ہے، جب تک ایک بھی شخص اس میں سے کچھ نہ کچھ اپنے برتن میں بھر لیتا ہے (جو پھر اس کی ملکیت بن جاتا ہے)۔ یہ تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لوگ تین (چیزوں) میں شریک ہیں، پانی، چراگاہیں اور آگ"**۔

چھٹی صدی کے امام علاؤالدین الکاسانی (متوفی 587) نے بھی اپنی مشہور بدائع الصنائع میں اس معاملے پر بحث کی اور کہا: لأن الماء في الأصل خلق مباحا لقول النبي صلى الله عليه و سلم **«النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَأِ وَالنَّارِ»** والشركة العامة تقتضي الإباحة إلا أنه إذا جعل في إناء وأحرزه به فقد استولى عليه وهو غير مملوك لأحد فيصير مملوكا للمستولي كما في سائر المباحات الغير المملوكة، وإذا لم يوجد ذلك بقي على أصل الإباحة الثابتة بالشرع فلا يجوز بيعه؛ لأن محل البيع هو المال المملوك وليس له أن يمنع الناس من الشفة - وهو الشرب بأنفسهم - وسقي دوابهم منه؛ لأنه مباح لهم. "پانی کو اصل میں سب کیلئے مباح کیا گیا ہے جس کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: **'لوگ تین (چیزوں) میں شریک ہیں، پانی،**

چراگاہیں اور آگ'۔ عمومی ملکیت اباحت کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن جب کوئی ایک شخص ایک برتن میں اس میں سے کچھ اپنے لیے لے لیتا ہے تو وہ اس پر اپنی ملکیت قائم کر لیتا ہے کیونکہ پہلے وہ اس کی (ذاتی) ملکیت نہیں تھی، جیسے دیگر تمام مباح اشیاء کا معاملہ ہے جن کا کوئی مالک نہ ہو۔ اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو اباحت کا اصل حکم جو شریعت نے دیا ہے، لاگو ہو گا جس کی وجہ سے اس کی فروخت جائز نہیں۔ کیونکہ صرف وہی چیز بیچی جاسکتی ہے جو اپنی ملکیت میں ہو۔ علاوہ ازیں، کوئی کسی کو وہاں سے پانی پینے یا جانوروں کو پلانے سے روک نہیں سکتا کیونکہ یہ سب کیلئے جائز ہے"۔

چھٹی صدی کے حنفی فقیہ حنفی عالم برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر (متوفی 593) الہدایہ میں کہتے ہیں: لا يجوز للإمام أن يقطع ما لا غنى بالمسلمين عنه كالملح والآبار التي يستقي الناس منها "حکمران کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کی چیز کسی (ایک یا کئی اشخاص) کو دے دے، جیسے نمک کی کان یا بڑے کنویں جن سے لوگ اپنی زمینوں کو پانی لگاتے ہیں"۔

شریعت ان وسائل کی اجارہ داری کو روکتی ہے، جو وسائل سب کی ضرورت ہیں۔ بلکہ اس کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ ایسے وسائل تمام ضرورت مند لوگوں کی پہنچ میں ہوں، جس کی ریاست نگرانی کرتی ہے۔ ان وسائل کی بیش بہا دولت کو چند لوگوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا، کہ وہ نجکاری کے بعد اس سے منافع کمائیں۔ اگرچہ ریاستِ خلافت عوامی املاک اور ریاستی املاک کی نگرانی کی ذمہ داری لیتی ہے، لیکن خلافت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ عوامی املاک کی ملکیت کسی فرد یا گروہ کو نجی طور پر دے دے، کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ اس سے حاصل ہونے والے محاصل بھی عوام کے ہیں جو اس کے امور کی دیکھ بھال اور مفادات کے تحفظ کیلئے استعمال ہوتے ہیں، ریاست کیلئے نہیں۔

یہ عوامی املاک کی شکل میں موجود تمام کثیر دولت کیلئے ہے، چاہے وہ توانائی ہو جیسے تیل، گیس، بجلی یا پھر معدنیات ہوں جیسے تانبا، لوہا یا پھر پانی کے ذخائر ہوں جیسے سمندر، دریا، ڈیم یا پھر چراگاہیں اور جنگلات ہوں۔ بے شک پوری امت دنیا کے توانائی اور معدنیاتی وسائل کا ایک بڑا حصہ اپنے پاس رکھتی ہے لیکن اسلام کے اقتصادی نظام کے بغیر

مسلمان آج غربت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان ریاستوں کے مقابلے میں بھی، جن کے پاس مادی دولت کا ایک چھوٹا سا ہی حصہ ہے، امت کا دنیا کے معاملات میں کوئی عمل دخل نہیں۔

اختتامیہ

امام غزالی نے اپنی کتاب، الاقتصاد فی الاعتقاد میں لکھا کہ اگر امامت ختم ہو گئی تو، أن يقول القضاة معزولون والولايات باطلة والأنكحة غير منعقدة وجميع تصرفات الولاة في أقطار العالم غير نافذة، وإنما الخلق كلهم مقدمون على الحرام "کہا جاتا ہے کہ جج معزول ہو جائیں گے، ولایات باطل ہو جائیں گی اور معاہدات ختم ہو جائیں گے، پوری دنیا میں گورنروں کے فیصلے معطل ہو جائیں گے اور پوری انسانیت حرام پر آ کھڑی ہو گی"۔

جن حالات کا امام غزالی نے ذکر کیا، آج امت اسی حالت میں ہے۔ آج کے مومنوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کو نافذ کرنے اور اللہ سبحانہ وتعالی کے سامنے اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کا واحد طریقہ خلافت کا دوبارہ قیام ہے۔ صرف تب ہی خیر آگے بڑھ سکتا ہے اور باطل اور فتنے کو شکست دی جا سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے سورۃ النور کی آیت 52-51 میں فرمایا: **﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (51) وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾" مومنوں کی بات تو یہی ہوتی ہے جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں (۵۱) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے بس وہی کامیاب ہونے والے ہیں (۵۲)"۔**

فہرست

ترقی اور ثقافتی تجدید (حصہ دوئم)

لطفی ابو محمد۔الجزائر

نشاۃ ثانیہ کے تناظر میں سربستہ راز کی تلاش میں یورپی مکتبۂ فکر کے فلسفیوں اور مفکرین نے ترقی یافتہ ریاستوں کی خوشحالی کا سبب آزادی کو قرار دیا ہے جس سے انسان اس کے جامع مفہوم کے ساتھ مستفید ہو رہا ہے۔ان کے خیال میں یہی وہ مرہم ہے جو فرد کی پوشیدہ تخلیقی صلاحیتیں اُجاگر کرتا ہے اور اس کو ترقی و خوشحالی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ وہ غلامی، استبداد اور مختلف قسم کی بندشوں کو تخلیق و ایجاد کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں جو انسانوں کو حتمی طور پر زوال، پسماندگی اور تنزلی کی طرف لے جاتی ہیں۔اسی بنیاد پر انہیں یہ یقین ہو گیا کہ رہبانیت اور پاپائیت اور روحانی دنیا کہلائے جانے والے غیر محسوس اُمور کے ساتھ تعلق کی وجہ سے قوموں کی تنزلی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ان کی رائے میں روحانی خیالات ورُجحانات حرکت سے بھرپور زندگی، ترقی اور حقیقت سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔اپنی اس فکر کے ثبوت کے طور پر انھوں نے وہی کچھ پیش کیا جو قرونِ وسطیٰ کے دوران یورپ میں رونما ہوا، جب یورپ مسیحیت کو اپنائے ہوئے تھا، جہاں یورپی مذہبی لوگ یہ سوچتے تھے کہ مذہب اور ترقی میں ٹکراؤ ہے۔ بالفاظ دیگر روح اور مادہ کے درمیان مکمل تضاد ہے۔

یورپی مفکر وِل ڈیورانٹ یورپ کے مذہب پسند لوگوں کے اسی رجحان پر بحث کرتے ہوئے "تہذیب کا قصہ" کی جلد 3 میں "قیصر اور مسیح" کے حوالے سے کہتا ہے: "یہ سوچ کہ تمام انسانیت آدم کے (دنیا میں) گر جانے سے داغ دار ہو گئی اور جلد ہی اس دنیا کا اختتام دائمی سزا و جزا کے فیصلے پر ہو گا۔اس سوچ نے گناہوں کے احساس کو ایک نئے درجے پر پہنچا دیا۔بہت سے مسیحیوں نے اپنی پوری توجہ اس پر لگا رکھی ہے کہ وہ حساب و کتاب کے بھیانک دن کا استقبال گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر کریں۔ چنانچہ انہیں اپنے حواس کی ہر لذت میں شیطانی بہکاوا نظر آتا ہے اور اسی لیے وہ جسمانی دنیا سے نفرت کرنے لگے اور روزہ اور جسمانی ایذائیں جھیل کر شہوتوں کو توڑنے کی

کوشش کرنے لگے، موسیقی، میدے کی روٹی، اجنبی شراب، گرم حمام اور داڑھی منڈوانے کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے، ان تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے واضح اور کھلے ارادے کی اہانت سمجھتے تھے "[1]۔

مذہبی اصلاح پسند لیڈر "مارٹن لوتھر" جسے پروٹسٹنٹ فرقے کا روحانی باپ سمجھا جاتا ہے، اس نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ سیکولرازم عمل کے معیار کیلئے وحی پر انسانی عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اس بنیاد پر عقل پر شدید تنقید کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس محدود حقیقت میں عقل محض حقیقت پسند ہے اور روحانی معاملات میں عقل "اندھی اور تاریک" ہے۔ وہ کہتا ہے، "عقل شیطان کی سب سے بڑی بازاری عورت ہے؛ اپنی فطرت اور طریقے کے اعتبار سے وہ ایک بازاری عورت ہے، وہ ایک طوائف ہے، شیطان کی تعینات کی گئی طوائف، جسے خارش اور جزام کھا چکے ہیں اور جسے پیروں تلے روند کر تباہ کر دینا چاہیے، اسے اور اس کی دانائی کو۔۔۔ اس کے چہرے پر گوبر پھینک کر اسے بدنما کر دو۔ اسے روحانی غسل (baptism) میں ڈوبا دینا چاہیے۔۔۔ اس کے ساتھ برا سے برا ہونا چاہیے، گھر کی گندی ترین جگہ پر بند کر دینا چاہیے "[2]۔ اس نے خبردار کیا کہ کیسے عقل خدا کے احکامات کو پسِ پشت ڈال دیتی ہے، اس نے کہا، "سود، شراب خوری، زنا۔۔۔ یہ جرائم واضح ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ یہ گناہ کے کام ہیں، لیکن شیطان کی یہ دلہن، 'عقل'، ایک تابعدار باندی کی طرح اس سے انکار کرتی ہے اور اپنے آپ کو عقلمند سمجھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ جو بھی کہتی ہے وہ روح القدس سے آرہا ہے"۔

یورپی تاریخ کے فلسفیوں نے نتیجہ نکالا کہ قرونِ وسطیٰ کے زوال کا سبب مذہب کا دنیاوی معاملات پر حاوی ہو جانا تھا۔ اس کے علاوہ یورپ کی پسماندگی پر ان کے پاس نمایاں شواہد میں سے جاگیردارانہ نظام بھی تھا، جس نے ظلم و جبر کی انتہاء کر دی تھی، جس کے آگے یورپی لوگ سر خم کیے ہوئے تھے اور اس سوچ پر قانع ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے کہ بادشاہ کو اللہ کی طرف سے سب کچھ سپرد کیا جاتا ہے۔ مثلاً ڈیورانٹ نے اشارہ دیا کہ اُس زمانے کے لوگوں کی نظر میں بادشاہ اللہ کا نائب ہوا کرتا تھا، اور اپنے اسی خدائی حق کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں پر حکومت کرتا تھا، بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت کرنے کا حق دیا ہے، اس کام کے لیے اسے چن لیا ہے، اور اسی وجہ سے اسے حکومت سپرد کی ہے، اس نے کہا، "سخت ظلم کے باوجود عیسائیوں نے شاید ہی کبھی ریاست کے خلاف بغاوت کی ہو، ان کے

اساتذہ عوامی طاقتوں کے آگے جھکنے کی ترغیب دیتے اور بادشاہ کے الہامی حقوق سکھایا کرتے تھے"[3]۔اسی طرح یہ فلسفی یورپی تاریخ کو دلیل بناتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور اپنی دانست میں اسی کو پوری دنیا کی تاریخ سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ نشاۃ ثانیہ کے تجزیے کا آغاز انہی واقعات سے کرتے ہیں جو کیتھولک کلیسا اور اصلاح پسند انقلابیوں کے درمیان برپا ہونے والی کشمکش کا سبب بنے تھے، کیتھولک کلیسا نے معاشرے پر تسلط حاصل کیا تھا اور اپنے رنگ میں اس کو رنگنے کی کوشش میں جتا ہوا تھا، جبکہ اصلاح پسند انقلابی اس تسلط کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ان کا بنیادی مقصد کلیسائی آسیب سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔اس فکر کے نمایاں ترین داعی ہلڈرچ زونگلی تھا جو پروٹسٹنٹ اصلاح پسندوں کا ایک لیڈر تھا، جس نے اعلان کیا تھا کہ مذہبی اتھارٹی کی، جس کو کلیسا کہا جاتا ہے، مقدس کتابوں اور مسیحی تعلیمات میں کوئی اساس ہی نہیں۔اس نے کہا، "پادریوں کی پشت پناہی پر موجود حکومتی اقتدار عوامی حکومت کا ہے جس کی اطاعت تمام عیسائیوں پر لازم ہے، اگر وہ خدا کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتے"[4]۔

معاملے میں شدت لانے کا بڑا سبب وہ مطالبات تھے جو پیشوائی سوچ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والے فلسفیوں نے اُٹھائے، انہوں نے اس فکر کو یورپ کے لیے وبا قرار دیا۔ان کی دعوت کا محور دین کی زندگی، معاشرے اور ریاست سے جدائی قرار پایا۔ پس مشہور اطالوی دانشور میکاولی (وفات 1527ء) کے خیال میں مسیحیت نے اپنے بہترین حالات میں غلط اخلاق سکھائے۔ اس کی رائے کے مطابق مسیحیت نے جھکاؤ، ذلت، جسم کے حقوق کا انکار اور ایک کے بعد دوسرے تھپڑ کے لیے اپنا دوسرا گال آگے کرنے کی تعلیم دی، اس طرح انسان کی خوشیوں اور کامیابیوں کی اُمنگوں کو موت کے بعد والی زندگی میں قید کر دیا۔ میکاولی کے اخلاق سے متعلق خیالات کلی طور پر عیسائیت کے ذاتی کردار سے ٹکراتے ہیں۔ وہ انسانوں کی بلند نظری اور زمین میں باعزت زندگی گزارنے سے متاثر تھا۔اس کے خیال میں انسان کی بلند نظری انسانی جان کی اہانت سے نہیں بلکہ اس کی عزت و فخر میں ہے"[5]۔

اسی طرح والٹایئر (متوفی 1778ء)، جس نے اپنی تاریخی کتابوں میں معاشرے کی ترقی سے متعلق انجیل اور مسیح کے نظریات کو آڑے ہاتھوں لیا، اور انسانی تاریخ کے لیے رہنما اصول دیے۔اس کی نظر میں فلسفۂ تاریخ ایک بنیادی فکر پر قائم ہے۔ وہ بنیادی فکر معاشرے کی ترقی کی فکر ہے جو خدا کی مرضی سے آزادی کے حصول میں مضمر

ہے۔اس نے پاپائیت یا جس کو وہ خیالی دینی احوال کہتا ہے، کا مقابلہ کیا۔اس نے عیسائیت اور کیتھولک کلیسا کو ترقی کا بنیادی دشمن سمجھ کر اپنے تمسخر کا اصل نشانہ بنایا[6]۔

جین جیک روسو کو لیں، جس کی کتاب "معاہدۂ عمرانی"(The Social Contract)فرانس کے بڑے انقلاب کا ستون سمجھی جاتی ہے بلکہ انقلاب کے بعد فرانسیسیوں کی نظر میں اس نے انجیل کی حیثیت اختیار کر لی۔ روسو ریاست میں حکمرانی کیلئے اللہ پر ایمان کی مگر وحی کے انکار کی دعوت دیتا تھا[7]، نتیجتاً دین کی زندگی سے جدائی کی دعوت دیتا تھا۔اس کے خیال میں قوانین بنانے والے اور ان کے بعد آنے والے بادشاہوں اور سلاطین نے خدا کی طرف ان قوانین کی نسبت صرف اس لیے کی تاکہ وہ ان قوانین کو لازمی قرار دے سکیں اور عوام کے دلوں میں ان کی مخالفت کا خوف ڈال سکیں۔وہ کہتا ہے، "جب قانون ساز قوت اور استدلال کو استعمال نہیں کر سکتا، تو اسے مجبوراً اتھارٹی کی دیگر شکلیں اپنانی پڑتی ہیں، تاکہ وہ بنا کسی جبر کے لوگوں کو قوانین ماننے پر مجبور کر سکے اور کسی مباحثے کے بغیر قائل کر سکے۔یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے ہر دور میں اقوام کے بڑوں نے الہامی اتھارٹی سے مدد حاصل کرنے کو ضروری سمجھا۔اسی وجہ سے اپنی مخصوص پالیسیوں کی شرف و آبرو کو خداؤں کی طرف منسوب کرنا پڑا تاکہ وہ لوگ جو ریاست اور فطرت، دونوں کے قوانین کے تابع ہیں، وہ انسان کے خالق اور معاشرے کے خالق، دونوں میں ایک ہی طاقت پہچان سکیں اور اپنی دلی خوشی اور رضامندی سے اس کی اتباع کریں"۔اس نے مزید کہا، "یہی وہ بلند عقلی تھی جو عام آدمی کی بصیرت سے بالاتر ہوتی ہے، یہی وہ عقل ہے جس کی بدولت قانون ساز اپنے قوانین کو لافانی ذات کے ساتھ جوڑ لیتا ہے تاکہ جن لوگوں کی قیادت انسانی بصیرت سے نہیں ہو سکتی، ان کی قیادت الہامی اتھارٹی کے ذریعے کی جائے ۔مگر ہر انسان اس قابل نہیں کہ وہ خدا سے ہمکلام ہو، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو یہ بتاتے وقت کہ وہ خداؤں کا نمائندہ ہے، سچ کہہ رہا ہو"[8]۔1789ء میں فرانس کے عظیم انقلاب نے بالآخر معاشرے، ریاست اور سیاست سے کلیسا کی جڑوں کو مکمل طور پر اکھاڑ دیا۔ول ڈیورانٹ کے مطابق پچھلے انقلابات اکثر یا تو ریاست کے خلاف ابھرے یا کلیسا کے خلاف، شاذ و نادر ایسا ہوا کہ بیک وقت دونوں کے خلاف کوئی انقلاب برپا ہوا ہو۔جہاں تک فرانسیسی انقلاب کی

بات ہے تو اس نے شہنشاہیت اور پاپائیت دونوں پر دھاوا بولا، یہ انقلاب بیک وقت دوہری مہم تھی جس کا ہدف پہلے سے قائم معاشرتی نظام کے دونوں مذہبی اور دنیاوی ستونوں کو اکھاڑنا تھا"[9]۔

اس طرح عصرِ حاضر کے مغربی مفکرین اور تاریخ دان ان حالات کو اپنے نظریے کے لیے زندہ مثال سمجھتے ہیں؛ اس حیثیت سے کہ معاشرے سے کلیسا کے اثر ورسوخ میں جس تناسب سے کمی آتی گئی اسی تناسب سے یورپ کی ترقی میں اضافہ ہونے لگا تھا، یوں مذہب اور تدین عملی زندگی سے بے دخل ہوتا رہا۔ انہیں فرانسیسی انقلاب میں بھی ایک بڑی دلیل نظر آئی، جس سے ان کی موجودہ تاریخ کا آغاز ہوا، اس انقلاب کی بدولت کلیسا کو معاشرے سے الگ کر دیا گیا، اور خدائی نیابت کے تصور کا خاتمہ کیا گیا، معاشرے میں عام لوگوں کو مطلق آزادیاں دے دی گئیں، یوں یورپی تحریکِ ترقی مکمل ہوئی اور اپنے ثمرات دینے لگ گئی، جن پر آج تک یورپی باشندے فخر کرتے نظر آتے ہیں۔ مغربی مفکرین کے ہاں تہذیب کا یہ تاریخی نظریہ ہی اس عقلی عقیدے کے پیچھے کارفرما تھا جس کو مغرب نے عصرِ حاضر کی تاریخ کے آغاز میں گلے لگایا، اس کو اپنے افکار کے لیے اساس اور اپنے معاشرے کے لیے اسی کو فکری قیادت قرار دیا، یہ عقیدہ "زندگی سے دین کی جدائی" کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ انہوں نے کسی بھی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کی تشریح اسی نظریے کی عینک پہن کر کی، اس لیے جب وہ سوشلسٹ نظریہ ترقی اور اس کے بعد اس کے انحاطاط و زوال کی تشریح کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس ترقی کی نسبت، سوشلسٹ معاشرے میں زندگی سے مذہبی و دینی اثرات کے اٹھ جانے کی طرف کرتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ سوشل ازم کی بنیاد الحاد (خدا کے وجود کا انکار) ہے، اور سوشلسٹ عقیدہ کہتا ہے کہ دین اقوام کے لیے افیون ہے۔ یوں سوشلسٹ قومیں مادہ پرست اور مادیت سے مربوط ہوتی ہیں۔ جہاں تک اس تہذیب کے تیز رفتار انحطاط کی بات ہے، تو ان کی رائے میں اس کی وجہ الحاد (خدا کے وجود کا انکار) یا دین کی عدم موجودگی نہیں، بلکہ اس کی وجہ آزادی کی عدم موجودگی ہے۔ یعنی مذہبی پیشواؤں کے آگے جھکنے سے چھٹکارا پاکر آزادی کی جن قدروں تک انسان پہنچنا چاہتا ہے، سوشلسٹ نظام نے ان اقدار کو اس سے چھین لیا، کہ اس کو پیشوائیت اور غیبی حقائق کی غلامی سے نجات تو دی مگر اس نے لوگوں کو ریاست اور برسر اقتدار کمیونسٹ پارٹی کی بندگی اور غلامی میں دے دیا۔ جو اقوام آج سوشل ازم سے باغی

اور متنفر ہوئے ہیں، سوشلسٹ لوگ ان کو اس زاویے سے دیکھتے ہیں کہ وہ دراصل ریاست کی بندگی اور غلامی سے آزادی کے خواہاں ہیں، تاکہ وہ اپنی آزادیوں کو استعمال کر سکیں اور مغرب کی لبرل تہذیب کے قافلے سے جاملیں۔ فرانسس فوکویاما نے "تاریخ کی انتہا اور آخری انسان" میں لکھا، "ماضی میں لوگ لبرل جمہوریت کو رد کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ بادشاہت، اشرافیہ کی حکمرانی، پاپائیت، فاشزم، کمیونسٹ مطلق العنانی یا ایسی کسی آئیڈیالوجی سے کم تر تھی۔ لیکن اب مسلم دنیا کے باہر، ایسا لگتا ہے کہ اس پر ایک عمومی اجماع موجود ہے کہ لبرل جمہوریت ہی حکومت کی دانا ترین شکل ہے، یعنی ایسی ریاست جو عقلی خواہش یا عقلی پہچان کو پوری طرح سے محسوس کرتی ہے"[10]۔

تاریخی ادوار میں وقوع پذیر ہونے والے انحطاط اور نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے عصرِ حاضر کے مغربی تصور کا یہی خلاصہ ہے۔ جب ہم ان سے قرونِ وسطیٰ کے دور کی اسلامی تہذیب کی ترقی کا راز پوچھتے ہیں، تو وہ اپنے مذکورہ نظریۂ ترقی وانحطاط کے مطابق ترقی کے اس مظہر کی تشریح کرنے سے بے بس نظر آتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے مختلف تشریحات کرتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کے جن ادوار نے تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی کے دن دیکھے، وہ ادوار دین اور عبادت کے ادوار تھے، بلکہ اسلامی تہذیب، بشمول اس کے معاشرے، ریاست اور طرز زندگی کے، ایک روحانی عقیدے پر قائم ہے جو انسان کو زندگی سے قبل اور بعد کے ساتھ جوڑتا ہے۔ یہ تہذیب ایک جیتی جاگتی مثال اور اس بات کی ایک قطعی دلیل ہے کہ ترقی اور زوال کی تشریح کے حوالے سے مغرب کا نظریہ فاسد ہے۔ کیونکہ حقیقت پر لاگو کر کے ہی ایک فکر کی صحت ثابت کی جاسکتی ہے، اگر وہ نظریہ حقیقت پر نہیں جچتا تو یہ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ اس مغربی نظریے کی حالت ہے۔ فلسفۂ ترقی ایک سنجیدہ مسئلہ ہے، جس کیلئے محض ایک ظنی نظریہ قابل قبول نہیں، جیسے مغرب کا مذکورہ نظریہ۔ بلکہ اس کا ایک یقینی اور حتمی فکر ہونا ضروری ہے، جسے حقیقت پر منطبق کیا جاسکتا ہو، اور اس فکر میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ تمام تہذیبوں کی ہر ترقی اور زوال وانحطاط کی تشریح کر سکے۔

تہذیبی تجدید

کئی مسلمان ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ اپنی حالت زار کا تقابلہ کر کے واویلا کرتے نظر آتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو مسلمانوں کے حالات بیان کرنے میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے اب کوئی راستہ نہیں بچا اور یہ کہ مغرب تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے اور مسلمان کسی طرح بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے وغیرہ۔ حقیقت میں وہ ترقی جس کی لوگ بات کرتے ہیں، وہ زندگی کے بارے میں ایک ایسے نقطہ نظر کو اختیار کرنے کا عملی مظہر ہے، جو بذاتِ خود ایک آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ اس کی بنیاد پر قوانین کی شکل میں وہ حل طے کیے جاتے ہیں جن کو معاشرے اور ریاست کے درمیان متفقہ حیثیت حاصل ہو۔ پس مسلمان ان مختلف حالات کی وجہ سے جو انہیں درپیش ہیں، تقابلے پر تقابلہ کرتے کرتے بالآخر اندرونی شکست کی کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہیں، جس کا سبب اقوام کی امنگوں اور سیاسی ارادوں کے اختلاف میں فرق نہ سمجھنا ہے، ان دونوں اصطلاحات کی کچھ وضاحت ضروری ہے۔

کبھی ایک قوم بحیثیت مجموعی مخصوص افکار پر اتفاق کر لیتی ہے جنہیں وہ درست سمجھتی ہے۔ ان افکار کو ایک ایسی حقیقت بنانے کے لیے جس کی سب کی طرف سے پابندی کی جائے، یہ ضروری ہے کہ ایک ریاست یا بالفاظ دیگر ایک سیاسی ارادہ انہی افکار کی تبنی کرے تاکہ ان افکار کو ایک عملی ڈھانچے میں متحرک کیا جائے۔ پھر اسی ڈھانچے کے ذریعے وہ تمام وسائل اکٹھے کیے جائیں جو مقررہ مفادات تک رسائی دیتے ہیں۔ یہ تعریف تمام ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام پر لاگو ہوتی ہے۔ لیکن اقوام کے درمیان ایک اہم فرق اس وقت آ جاتا ہے جب ایک قوم کے مفادات خالق کائنات کے اوامر ہوں، جن کا مقصد زندگی کے ہر پہلو میں ان عبادت کو اجاگر کرنا ہو جن عبادات کا تصور کامل اطاعت میں جھلکتا ہے، بنا کسی شک وشبہ کے ان اوامر کی تمام جزئیات کا نفاذ ہو، ان کی حفاظت کے لیے سعی وجدوجہد اور ان پر متواتر عمل اور دنیا والوں کے پاس اس کو لے کر جانا ہو۔

غیر مسلم اقوام اسلام کی دی گئی رحمت، عدل اور خوشحالی کی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ اُنہوں نے معرکہ حیات میں اسلام کو ایسی نافذ شدہ حالت میں نہیں دیکھا ہے جبکہ ایک ایسی اتھارٹی اس کو نافذ کر رہی ہو جو خالق کی اطاعت کیلئے اُمت کی اُمنگوں کی ترجمان ہو اور اسلام اور اس سے متعلقہ تمام تصورات کی حفاظت کے لیے سرگرم عمل ہو۔ نشاۃ ثانیہ کا حصول یا آج کل کی اصطلاح میں ترقی، حاکم اور محکوم کے درمیان اُن مقاصد اور حکمت عملیوں

(Strategies) کے حوالے سے مکمل ہم آہنگی کا تقاضا کرتا ہے جو متفقہ فکری اُصول وضوابط سے پھوٹتی ہیں اور معاشرہ جن کو ایک عام حقیقت کے طور پر پہنچانتا ہو۔ پس ریاست وسائل کی فراہمی کرتی ہے، اور قوم وفاداری اور قربانیاں پیش کرتی ہے، قوم کو ریاست کے ساتھ تعلق کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ وہ حکمرانوں کو نصیحت بھی کرتی ہے، اس طرح وہ ان رُخنوں کو بند کر دیتی ہے جو ترقی کے حصول میں ناکامی کا باعث بنتے ہیں۔ آجکل ہمیں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ اسی ہم آہنگی کا فقدان اور طے شدہ مقاصد سے عوام کے ایک بہت بڑے گروہ کی بے اعتنائی ہے کیونکہ اس گروہ نے ایک اہم عنصر یعنی حکمران اور عوام کیلئے ایک ہی فکری بنیاد کے موجود ہونے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ لہٰذا مسلم دنیا میں ایک وحدت پر مبنی تبدیلی کی کمی ہے۔ نتیجتاً ریاست کے ساتھ تعلق کا شعور بھی ناپید ہے، رُخنوں میں اضافہ ہو رہا ہے، ایسے میں فسادیوں کی مداخلت ناگزیر بن جاتی ہے۔

بلاشبہ کسی بھی قوم کے لئے ترقی کا حصول تب تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے لیے نمائندہ قیادت نہ چُن لے اور ایک ایسا ڈھانچہ قائم نہ کرے جو ارادے اور تنفیذ کی ذمہ داری ادا کرتا ہو۔ اسلام کی نظر میں ریاست مسلمانوں اور خود اسلام کی زندگی کے لیے ایک اہم عنصر ہے اور امت نے اس ریاست کے سائے تلے کامیابیاں حاصل کیں کیونکہ ریاست فکر وعقیدے میں اُمت کی نمائندگی کرتی ہے۔ کامیابیوں کا یہ سلسلہ عثمانی ریاست کے سقوط تک جاری و ساری رہا۔ پھر اُمت کو زوال نے آلیا، ضعف وانحطاط کا دور شروع ہوا اور اُمت دیگر اقوام کی دست نگر بن گئی۔ اسی وجہ سے امت مجموعی طور پر نہ تو ٹیکنالوجی میں ترقی کر پائی اور نہ ہی تہذیبی لحاظ سے آگے بڑھ پائی۔ یہ ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب امت فکر کو اپنائے اور سیاسی ارادے کو قائم کرے، جو ان افکار کو حقیقت میں تبدیل کر دے۔ اسی وجہ سے نشاۃ ثانیہ کے خواہشمندوں پر لازم ہے کہ اپنے مطلوبہ منصوبے کے حوالے سے ان کا تصور بالکل صاف اور بے غبار ہو۔ ان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُن اصولوں اور اساسی افکار کی پابندی کریں جسکی امت حامل ہے، جن میں اسلام کی تاریخی اور قانونی وراثت شامل ہے۔ اِن افکار میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ آج بھی امت کی عزت اور شان وشوکت لوٹا سکتے ہیں۔ اس کام کے لیے معاشرے کے بیدار طبقے کی طرف سے مخلصانہ اور سنجیدہ کوشش کی ضرورت ہے جو نتیجہ خیز کاموں کی شکل میں افکار کی ترجمانی کی قابلیت سے لیس ہو۔

بلاشبہ تہذیبوں کا تصادم اور ٹکراؤ جاری رہتا ہے اور اس ٹکراؤ میں تہذیبی شکست اسی صورت میں ہوتی ہے جب کوئی اس ٹکراؤ سے دستبردار ہو جائے۔ابن خُلدون کے بقول، كل مغلوب مفتون بتقليد الغالب " ہر مغلوب قوم غالب قوم کی تقلید کی دلدادہ ہوتی ہے"۔ سرمایہ دارانہ تہذیب جسے مشرق و مغرب نے اختیار کیا ہے، زندگی کے لیے ایک مخصوص تصور رکھتی ہے جس میں وہ پوری دنیا کو رنگنا چاہتی ہے۔ہنٹنگٹن کے مطابق،"اس کے برخلاف، وہ اقدار جو ایک معاشرے کو مغربی بناتی ہیں، مخصوص ہیں: رسمی وراثت، عیسائیت، کلیسا اور ریاست کی علیحدگی، قانون کی بالادستی، مہذب معاشرہ"۔ پس سرمایہ داریت کا خیال ہے کہ خالق کائنات کا لوگوں کے امور کی دیکھ بھال میں کوئی عمل دخل نہیں۔ سیکولرازم سے قانون سازی کے ایسے تصورات نے جنم لیا جن کی بنیاد پر ایسے ادارے قائم کیے گئے جو غلط رخ پہ گامزن ہوئے۔ ان اداروں نے انسان کے مسائل سے غفلت برتی اور اس کو محض ایک صارف سمجھا۔ سرمایہ داریت کو اگر کوئی فکر تھی تو مال بڑھانے اور اس میں تنوع لانے کی تھی۔یوں امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج وسیع ہو گئی اور مختلف ناموں سے لوٹ مار کے قوانین گھڑ لیے گئے۔اس دنیا پر مسلط جنگل کا قانون اسی سرمایہ دارانہ نظام، اس کے افکار اور اداروں کا نتیجہ ہے۔

پے در پے بحرانوں کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ عمارت کی جڑیں اور بنیادیں اکھڑنا اور ہلنا جُلنا شروع ہوئیں۔ یوں یہ عمارت ڈانواں ڈول ہونے لگی، یہاں تک کہ کئی اقتصادی تجزیہ کاروں کا اس تہذیب کی کئی بنیادوں سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔ سرگردانی اور پریشانی کی یہ کیفیت جس میں دنیا جی رہی ہے سرمایہ داریت، بشمول اس کے تمام افکار اور اداروں کا طبعی نتیجہ ہے۔ لہٰذا، اب نظریں اسلام پر لگی ہوئی ہیں اور صرف اسی کو اس قابل سمجھا جا رہا ہے، کہ وہ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو صحیح رُخ پر ڈال دے۔اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس عظیم فقہی اور تاریخی ورثہ موجود ہے جس کی بنیاد پر وہ فطری طور پر اہلِ عالم کی قیادت سنبھال لینے کی پوزیشن پر کھڑا ہے۔ بلاشبہ اسلام اور اس کے منفرد قوانین نے تاریخی طور پر انسان اور معاشرے کی ترقی میں اپنا لوہا منوایا اور اپنی قابلیت ثابت کر کے دکھائی ہے۔ کیونکہ ان قوانین کی بنیاد ایک درست کلی فکر ہے جس سے یہ استنباط کیے گئے ہیں، جس کی بدولت انسان اس کائنات، انسان اور

حیات کو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، (یعنی ان کو ایک خالق کی مخلوق کی نظر سے دیکھتا ہے)، یوں دنیا کے حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں، اور حقیقی بندگی کا تصور اُجاگر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ تبدیلی کی کوئی بھی کوشش ناکام ہو گی، اگر اس میں معاشرے کو واحد اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے اہداف کی پابندی نہ کی جائے۔ لہذا اس وقت جس کام کی ضرورت ہے وہ فکری کام ہو گا جو واقعی انسانی اور عملی اعتبارات کے ضمن میں ایک منصوبہ سامنے لائے، جو حقیت سے خالی فلسفے سے کوسوں دور ہو۔ اس کام میں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں ایسے افکار بھی ہیں جو ناقابل تغیر ہیں اور مسلمانوں کے لئے "قضیۂ مصیر" یعنی زندگی اور موت کے مسئلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُمتِ مسلمہ باقی اقوام کی طرح محض ایک عام قوم نہیں، بلکہ اس کے کندھوں پر اپنی اور پوری دنیا کی اقوام کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ امت رسالت کے پیغام کی حامل امت ہے اور اس پیغام کے خطاب کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے، بشمول خلفاراشدین کے سمجھا۔ روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا، من سره أن يكون من هذه الأمة؛ فليؤدِّ شرط الله فيها " جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس امت میں سے ہو تو وہ اس کے لیے اللہ کی شرط پوری کردے"۔ پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کا قول تلاوت فرمایا، ﴿**كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ**﴾ **"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم اچھائی کا حکم دیتی ہو اور برائی سے منع کرتی ہو اور اللہ پر ایمان رکھتی ہو"** (آلِ عمران:110)۔

حوالہ جات:

[1] - Will Durant - The Story of Civilization - Part 11 - pg 282.

[2] -Ibid - part 24 - pp. 55-56.

[3] - Ibid - part 14 - pg. 429.

[4] - Ibid - part 24 - pg. 117.

[5] - Ernesto Landy - Article in the book ‘The Flags of Political Thought’ - compiled by Morris Cranston pg 42.

[6] - Ibid - the article «Voltaire».

[7] - Ibid. - the article "Rosso".

[8] - Jean-Jacques Rousseau - ‘The Social Contract’ - p. 85.

[9] - Will Durant - ‘The Story of Civilization’ - Part 42 - p. 397.

[10] - Francis Fukuyama - ‘The End of History and the Last Man’ - pg. 68.

فہرست

صرف خلافت ہی امریکی معاشی آرڈر کے ہاتھوں ہماری بدترین معاشی بدحالی اور تذلیل کا خاتمہ کرے گی

حزب التحریر-ولایہ پاکستان

ہم شدید معاشی بدحالی اور مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں جس کی واضح وجہ گرتی ہوئی ملکی معیشت ہے جبکہ حکمران ہم سے وعدے کر رہے ہیں کہ اچھے دن آنے والے ہیں۔ روپیہ تیزی سے اپنی قدر کھو رہا ہے اور مہنگائی قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ تیل، گیس اور بجلی کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں اور بے روزگاری میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

ہماری معاشی بدحالی ہی کافی نہ تھی کہ حکمران کمزور معیشت کا بہانہ بنا کر ہمیں ہمارے دشمنوں کے سامنے حقیر بنا رہے ہیں۔ اس سے قبل انہوں نے امریکی ہدایت پر مقبوضہ کشمیر کو مودی کے حوالے کر دیا تاکہ ہندوستان یکسو ہو کر، ایک علاقائی طاقت کے طور پر اُبھر سکے۔ اور اب غربت اور معاشی بدحالی کا بہانہ بنا کر ہماری فضائیں امریکی ڈرونز اور طیاروں کے لیے کھولی رکھی جا رہی ہیں۔ یہ فضائی راہداری امریکا کو دور بیٹھ کر افغانستان پر حملہ کرنے کی صلاحیت فراہم کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امریکا کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ہمارے ایٹمی اور عسکری اثاثوں کی جاسوسی بھی کر سکے۔

جب تک پاکستان کے حکمران ہمیں مغربی استعمار، جس کی قیادت امریکا کر رہا ہے، کے بنائے ہوئے معاشی آرڈر سے باندھے رکھیں گے، ہم کبھی بھی معاشی خوشحالی اور تحفظ کی منزل کو حاصل نہیں کر سکتے۔ صرف اسی صورت میں ہم اپنی بے پناہ مگر مخفی صلاحیت کے مطابق معاشی خوشحالی اور تحفظ حاصل کر سکیں گے جب خلافت کے حکمران ہم پر ہمارے دین کو نافذ کریں گے۔

امریکی معاشی آرڈر کے تحت پاکستان کے حکمرانوں نے روپیہ کو ڈالر سے منسلک کر رکھا ہے جس کے تباہ کن نتائج کا ہم آئے دن سامنا کرتے ہیں۔ روپیہ مسلسل کمزور ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں مہنگائی کا طوفان پیدا ہو رہا ہے جو ہمیں چکی کی طرح پیس رہا ہے۔ 2018ء میں ایک ڈالر 120 روپے کا تھا، لیکن 26 اکتوبر 2021ء کو یہی ایک ڈالر 175 روپے کا ہو گیا۔ اس کے علاوہ پچھلی کئی دہائیوں سے آئی ایم ایف کی مسلط کردہ ڈالر کی بالادستی کے نتیجے میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، پوری مسلم دنیا تباہ کن مہنگائی کی لپیٹ میں ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کو ہی کرنسی کے لیے مضبوط بنیاد کے طور پر اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ جس کے نتیجے میں تین براعظموں پر پھیلی خلافت نے، کئی صدیوں تک، سونے کے دینار اور چاندی کے درہم جاری کر کے قیمتوں میں استحکام کو یقینی بنائے رکھا، اور تجارت، زراعت یہاں تک کے بین الاقوامی تجارت میں سونے چاندی کی کرنسی کو ہی استعمال کیا جاتا تھا۔

امریکی معاشی آرڈر کے تحت تیل، گیس اور بجلی اس قدر مہنگی ہیں کہ ان کا بوجھ اٹھانا ہمارے لیے ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ عالمی بینک کی معاونت سے توانائی کے شعبے کی نجکاری کرنے کے بعد، نجی مالکان اپنے منافع کو یقینی بنانے کے لیے ان کی قیمتوں میں آئے دن اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ آئی ایم ایف توانائی کے وسائل پر ٹیکسوں میں اضافے اور زرتلافی (سبسڈی) کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ حکومت حاصل کردہ قرضوں پر برابر سود ادا کرتی رہے۔ جبکہ اسلام نے تیل، گیس، بجلی اور معدنیات، اِن سب کو عوامی ملکیت قرار دیا ہے جن کی کسی صورت بھی نجکاری نہیں کی جا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«المسلِمونَ شُركاءُ في ثلاثٍ في الكَلَإِ والماءِ والنَّارِ»** **"مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں؛ چراگاہیں، پانی اور آگ (توانائی)۔"** (ابو داؤد)۔ لہٰذا، خلافت عوامی اثاثوں کی مؤثر طور پر دیکھ بھال کرے گی، توانائی اور معدنیات کو مناسب قیمتوں پر فراہم کرے گی، جبکہ اِن سے حاصل ہونے والے محاصل کو صحت اور تعلیم جیسی عوامی سہولیات پر خرچ کرے گی، اور روزگار اور صنعتی ترقی کے مواقع پیدا کرے گی۔ یقیناً مسلم دنیا غریب نہیں ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے دنیا کے توانائی اور معدنیات کے وسائل کے زیادہ ترحصے سے نوازا ہے۔ لیکن یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو مسلم ریاستوں کو واحد ریاست کی شکل میں یکجا

کرے گی، ایک ایسی ریاست کہ جو وسائل سے بھرپور ہو گی اور مسلم دنیا کی چھپی ہوئی زبردست معاشی صلاحیت کو اسلام اور امتِ مسلمہ کی مضبوطی کے لیے استعمال میں لائے گی۔

امریکی جابرانہ معاشی آرڈر کے تحت پاکستان کی حکومت ہم سے حاصل ہونے والے ٹیکس کا نصف سے زائد حصہ سود کی ادائیگیوں پر خرچ کر دیتی ہے لیکن اس کے باوجود حکومتی قرض میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ 2011ء میں حکومتی قرض 10 کھرب روپے تھا جو 2021 میں بڑھ کر 40 کھرب روپے ہو چکا ہے۔ پوری مسلم دنیا ہی ایسی افسوس ناک صورتِ حال سے دوچار ہے۔ مسلم ممالک کا خون نچوڑا جا رہا ہے تاکہ سودی قرضے دینے والے سرمایہ کاروں کا سود مکمل طور پر ادا کیا جائے لیکن اس کے باوجود حکومتی قرض میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلام میں سود کو بہت سختی سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا**﴾ **"مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو"** (البقرۃ، 2:278)۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو اس چیز پر خرچ کرنا بند کر دے گی جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، اور صرف وہاں خرچ کرے گی جسے دینِ اسلام نے حلال قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ سود کی ادائیگی سے انکار کر کے خلافت دیگر غیر مسلم ریاستوں کے لیے جرأتمندانہ مثال قائم کرے گی اور ان مشکلات سے دوچار ریاستوں کو مدد اور حوصلہ دے گی کہ وہ بھی اس سودی امریکی معاشی آرڈر کے خلاف بغاوت کر دیں۔

مفلوج کر دینے والے امریکی معاشی آرڈر سے نجات حاصل کرنے کے بعد خلافت آزادانہ اُن امور پر خرچ کرے گی جن پر خرچ کرنا دین نے فرض قرار دیا ہے۔ پابندیوں اور شرائط کے شکنجے کو استعمال کر کے آئی ایم ایف اور عالمی بینک اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ مسلم دنیا بھاری صنعتوں کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر ترقی نہ کرے۔ استعماری معاشی آرڈر اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ مسلمان انجنوں، جدید اور حساس الیکٹرانک آلات اور ہتھیاروں کے میدان میں دوسروں پر ہی انحصار کرتے رہیں۔ لیکن خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ ایک مضبوط اور طاقتور صنعتی شعبہ قائم کیا جائے جس میں فوجی صنعت بھی شامل ہو گی، اور یوں اُن ممالک پر انحصار اور ان سے اتحاد کا خاتمہ کر دے گی جو اسلام اور مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن**

قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ "اور جو کچھ بھی تم سے ہو سکے، ان کیلئے طاقت اور بندھے گھوڑے تیار رکھو تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ہیبت قائم کر سکو" (الانفال، 8:60)۔ مسلم دنیا کو دنیا کی سب سے طاقتور ریاست کی شکل میں یکجا کرتے ہوئے خلافت پوری دنیا کو مغربی استعماری آرڈر سے نجات دلانے کے قائدانہ کردار ادا کرے گی۔

اے پاکستان کے معزز اور مخلص مسلمانو! جب تک مسلم دنیا کے حکمران ہمیں امریکی معاشی آرڈر سے جوڑے رکھیں گے، جس کے چوکیدار آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ایف اے ٹی ایف ہیں، ہماری معاشی بدحالی اور ذلت کا خاتمہ کبھی نہیں ہوگا۔ جب تک ہماری گردنوں پر ایسے حکمران سوار ہیں جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کے نفاذ سے منہ موڑ رکھا ہے، صرف معاشی بدحالی ہی ہمارا مقدر بنی رہے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً﴾ "اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ (کٹھن) ہو جائے گی"** (طہٰ، 20:124)۔ بدترین معاشی بدحالی اور تذلیل کی وجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے، اور اس صورتحال کا خاتمہ اسی صورت ہوگا کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کی طرف لوٹ جائیں۔ حزب التحریر ولایہ پاکستان آپ میں سے ہر ایک سے یہ مطالبہ اور درخواست کرتی ہے کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام جدوجہد میں حصہ ڈالے۔ تو اٹھیں اور اس پکار کا جواب دیں!

اے افواجِ پاکستان کے مسلم افسران! جب تک آپ مسلمانوں پر مسلط مجرم حکمرانوں کو چھوٹ دیے رکھیں گے وہ ہمیں معاشی بدحالی سے دوچار رکھیں گے اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں ہماری تذلیل کراتے رہیں گے۔ آپ وہ ہیں جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ طاقت اور استعداد عطا فرمائی ہے کہ آپ حکمرانوں کو اقتدار کی کرسی سے اتار بھی سکتے ہیں اور اُس پر بٹھا بھی سکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت ہے کہ اہلِ قوت لوگوں سے اسلامی حکمرانی کے قیام کے لیے نُصرۃ طلب کی جائے۔ یاد کریں کہ انصارؓ نے عقبہ کی گھاٹی میں آپ ﷺ کو دوسری بیعت دی، انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کے لیے نُصرۃ فراہم کی، اور اسلام کی تاریخ کو بدل ڈالا۔ انصار کے قائد، سعد بن معاذؓ، کو یاد کریں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عرش اُن کے ایمان اور دین کے لیے ان کی نُصرۃ کی تعظیم میں، اُن کی موت پر لرز گیا تھا۔

بخاری نے جابرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«اهْتَزَّ العَرْشُ لِمَوتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ»** **"سعد بن معاذؓ کی موت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عرش لرز گیا"**۔ حزب التحریر، اپنے امیر، جلیل القدر فقیہ اور مدبر رہنما، شیخ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ، کی قیادت میں آپ سے نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت کے قیام کے لیے نُصرۃ طلب کرتی ہے۔ تو اٹھیں اور اس پکار کا جواب دیں!

29 ربیع الاول 1443 ہجری **حزب التحریر**

5 نومبر 2021ء **ولایہ پاکستان**

فہرست

ان شاءاللہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت عنقریب قائم ہو گی

بلال المہاجر - پاکستان

آج دنیا سیاسی، معاشی، سماجی اور صحت کی سہولیات کے بحرانوں کا شکار ہے، جو وقت کے ساتھ بہت گہرے ہو چکے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی قوم، مشرق سے مغرب تک، بشمول عالم اسلام کی اقوام یا مغرب کی اقوام کے، اس کے نتیجے میں آنے والے انتشار سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ پوری دنیا نے مشترکہ حیثیت سے ان بحرانوں کے سامنے اپنی نااہلی کا اعلان کر دیا ہے جو کہ غالب تہذیب یعنی سیکولر سرمایہ دار مغربی تہذیب کے دیوالیہ پن کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس صورت حال نے دنیا بھر کے لوگوں بالخصوص اسلامی دنیا کے انقلابی عوام میں شدید غصہ پیدا کر دیا ہے، جس سے دنیا میں ایک عظیم سیاسی اور تہذیبی خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں موجود نظریات دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں: انسانی نظریہ جو اس وقت سوشلزم اور سرمایہ داریت ہے اور الہامی نظریہ جو کہ صرف اسلام ہے۔ انسانی نظریہ ناکام ہو چکا ہے۔ انسانیت کو مصائب کی کھائی میں دھکیلنے کے بعد اس نے فکری دیوالیہ کا اعلان کر دیا ہے۔ سوشلزم نے پہلے ہی اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی خامیاں دہائیوں پہلے ہی عیاں ہو چکی ہیں۔ اب سرمایہ داریت اس عظیم دیوالیہ کو آگے بڑھا رہی ہے۔ یہی باطل نظریہ تہذیبوں کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا ایک ناگزیر نتیجے کے طور پر اب یہ کہنا درست ہے کہ اسلام ہی اس خلاء کو پر کرنے کا واحد امیدوار ہے۔ صرف اسلام میں ہی وہ بنیادی تہذیبی عناصر ہیں جن کا مقابلہ کوئی انسانی نظریہ نہیں کر سکتا۔ اسلام کے پاس ہی وہ مبنی بر عقل عقیدہ ہے جو ذہن کو قائل کرتا ہے اور دل کو سکون سے بھر دیتا ہے۔ صرف اس کے پاس زندگی کو منظم کرنے کا نظام ہے جو جامع اور منصفانہ ہے، کہ کوئی باطل اس تک نہ پہنچ سکے، نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے۔

تاہم، اسلام دنیا کے تہذیبی خلاء کو ایک سیاسی وجود کے ذریعے ہی پر کر سکتا ہے جو اسلامی افکار، تصورات، معیارات اور اعتقادات کے مجموعے سے حکمرانی کرے، یعنی وہ سیاسی اکائی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ تمام

احکامات کے مطابق حکومت کرنے کا اختیار رکھتی ہو۔ یہ وجود ریاست خلافت میں مجسم ہے جس کے قائم ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ درحقیقت اس کا قیام اب کبھی بھی ہو سکتا ہے اور یہ ادراک دو پہلوؤں پر مبنی ہے: نظریاتی پہلو اور سیاسی پہلو۔

جہاں تک نظریاتی پہلو کا تعلق ہے تو خلافت کا قیام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے عمل میں آئے گا جس کی تصدیق دو حقیقتوں سے ہوتی ہے:

اول: اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے زمین پر پے در پے جانشینی کا وعدہ کیا، جیسا کہ اس سے پہلے ان کے اگلے لوگوں کو جانشینی دی گئی تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔"** سورۃ النور [24:55]

دوئم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالمانہ حکومت کے بعد جس کے تحت ہم زندگی گزار رہے ہیں، نبوت کے طریقے پر خلافت راشدہ کی واپسی کی بشارت دی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں، جیسا کہ احمد نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً عَاضّاً فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ "تم میں نبوت رہے گی، جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا تو اسے ختم کردے گا، پھر نبوت کی طرز پر**

خلافت قائم ہو گی، پھر جب تک اللہ چاہے گا اسے رکھے گا، پھر جب اللہ چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا، پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہو گی، جب تک اللہ چاہے گا اسے رکھے گا پھر جب اللہ چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا، پھر جابرانہ حکومت کا دور ہو گا، جب تک اللہ چاہے گا اسے رکھے گا پھر جب اللہ چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا، پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دور ہو گا اس کے بعد نبی ﷺ خاموش ہو گئے "(مشکوٰۃ شریف جلد نمبر سوم حدیث نمبر 1309)۔

جہاں تک دوسرے پہلو کا تعلق ہے، یعنی سیاسی زاویے سے، یہ اسلام کی تیاری اور تہذیبی خلاء کو پر کرنے کی صلاحیت سے متعلق ہے۔ اور یہ دو عوامل کی وجہ سے ہے:

اول: امت زندہ اور متحرک ہے، خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد میں حصہ ڈال رہی ہے اور اس کے لیے کئے جانے والے کاموں کی حمایت کرتی ہے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا وعدہ پورا ہو جائے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کی خلافت اور اس کے حامیوں کی آمد پر اسے قبول کرنے کی واضح آمادگی بھی ثابت ہے۔ اس طرح امت تیزی سے اپنے اصل راستے کی طرف بڑھ رہی ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلم امت کو تعینات کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں سے اٹھائے گئے ہو کیونکہ تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"[سورہ آل عمران 3:110]۔**

دوم: وہ حزب جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص ہے، اللہ کے وعدے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو پورا کرنے کے لیے دن رات مسلسل اس راستے پر چل رہی ہے اور اس کام میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتی۔ ان شاءاللہ اس کی پیش قدمی سست نہیں ہو گی اور نہ ہی اس کا عزم کمزور پڑے گا، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ پورا کر دے۔ حزب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر پورا اترتی ہے جو مسلم نے ثوبان سے روایت کی ہے: **لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ... "میری اُمت کا ایک**

گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ جو شخص اُن کو رسوا کرنا چاہے گا وہ اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وہ اسی طرح ثابت قدم رہیں گے حتیٰ کہ اللہ اپنا فیصلہ پورا کردے۔"

لہٰذا آج کے دور میں مادی مدد (نصر) اور تبدیلی کے عناصر حاصل کرنا بالکل ممکن ہے۔ امت زندہ ہے اور انقلابی ہے، جبکہ حزب زبردست صلاحیتوں کے ساتھ مضبوط ہے۔ اور دشمن نہ صرف کمزور ہے، بلکہ اپنے کمزور ترین مقام پر ہے، جب کہ عالمی سطح پر تہذیبی خلاء موجود ہے... اس لیے ہمیں اپنے دین پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ وہ واحد نظریہ ہے جو تہذیبی خلاء کو پر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمیں اپنی امت پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ تمام امتوں میں سے بہترین امت ہے جو تمام اقوام کے خالق کی گواہی دیتی ہے۔ ہمیں امت کی قیادت، حزب التحریر، پر بھروسہ کرنا چاہیے جو کہ فقیہ، سیاست دان اور مفکر ہے، جو اللہ کے حکم سے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شرعی احکامات کے مطابق حکومت کرنے اور انتظام چلانے کی اہلیت رکھتی ہے تاکہ بحرانوں کو حل کیا جاسکے اور چیلنجوں پر قابو پایا جاسکے۔

معاملہ اس قدر آگے بڑھ چکا ہے کہ اس کی تکمیل صرف اہلِ نصرۃ پر منحصر ہے۔ یہ مسلم افواج کی نصرت پر منحصر ہے، ان انصار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرۃ عطا کی تھی۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان کو کمزوری کے بعد طاقت واختیار دیا اور ان کو ذلت کے بعد عزت بخشی۔ بہر حال، اسلام کے لیے نصرۃ صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو مخلص، متقی اور پاکیزہ ہوں۔ وہ ثابت قدم لوگوں میں سے متحرک آدمی ہوں گے۔ اور اسلام کے لیے نصرۃ دینا بہت بڑا اعزاز ہے، اس کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو اہلِ اقتدار اور اہلِ نصرۃ میں سے پاک ہوں۔ یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو جنت کی فتح کے مستحق ہیں، جس طرح پہلے انصار تھے۔ اور اسلام کو دنیا میں جانشینی عطا کرتے ہوئے، اپنی خوشبودار سوانح عمری لکھ کر انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کا موقع ملے گا، جب کہ امت ان کے لیے خیر کی دعا کرتی رہے گی۔

آج کی دنیا ایک بحری جہاز کی مانند ہے جو گہرے سمندر میں ہر طرف سے لہروں سے ٹکرا رہا ہے۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ نبوت کے طریقے پر خلافت کی مستحکم بندرگاہ پر کنارے لگنے کا فیصلہ کرے۔ ہمیں

یقین ہے کہ دنیا کو اسلام کے نفاذ کی اشد ضرورت ہے۔ یہ دنیا کے لوگوں کی رہنمائی اور ان کے معاملات کو ترتیب دینے کا واحد ذریعہ ہے۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہم صحیح راستے پر ہیں جو ہمیں محفوظ منزل تک لے جائے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم صرف اہلِ نصرۃ کے انتظار میں ہیں۔ اس کے بجائے ہم کہتے ہیں کہ ہم کوشش کر رہے ہیں اور اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ وہ اہلِ نصرۃ کو دین کی خاطر نصرۃ دینے کے لیے تیار کر دے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت واپس آجائے، اور کفر اور اس کے ماننے والے ذلیل ہوں۔

ابو داؤد نے روایت کیا: **عَنْ خَبَّابٍ قَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ، فَقُلْنَا: "أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا"، فَجَلَسَ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ، فَقَالَ: "قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ يُؤْتَى بِالْمِنْشَارِ فَيُجْعَلُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ فِرْقَتَيْنِ، مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عَظْمِهِ مِنْ لَحْمٍ وَعَصَبٍ، مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَحَضْرَمُوتَ مَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَعْجَلُونَ** "خباب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جب آپ ﷺ اپنی ایک چادر پر ٹیک دیئے کعبہ کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، 'آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے؟ ہمارے لیے اللہ سے دعا کیوں نہیں مانگتے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور ان کا چہرہ (غصے سے) سرخ ہو گیا، فرمایا 'تم سے پہلے (کے زمانے کی امتوں میں) ایک شخص کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور اسے اس میں ڈال دیا جاتا۔ پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے۔ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے پھر بھی وہ اپنا ایمان نہ چھوڑتے۔ اللہ کی قسم! اللہ اپنا یہ امر (اسلام) مکمل کرے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ ایک سوار مقام صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اپنے لیے اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں ہو گا، یا صرف بھیڑیئے کا خوف ہو گا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے، لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو"۔

فہرست

سوال وجواب: اسلام کی طرف دعوت اور اسلام کے لیے عمل کے درمیان فرق

(عربی سے ترجمہ)

سوال : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں دعوت اور عمل کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔ازراہِ کرم میرے سوال کا جواب دیدیں۔

التکتل الحزبی کتاب کے مصنف نے کہا ہے: "ہمارا اعتقاد ہے کہ نشاۃِ ثانیہ کا حقیقی فلسفہ وہ آئیڈیالوجی ہے جو فکر اور طریقہ پر مشتمل ہوتی ہے، یہ آئیڈیالوجی اسلام ہے کیونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس سے ریاست اور امت کے تمام امور کو چلانے کے لیے ایک نظام اخذ ہوتا ہے اور زندگی کی تمام مشکلات کا حل نکلتا ہے۔اگرچہ یہ نظام ایک عالمی نظام ہے تاہم اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ابتدا ہی سے اِس کے نفاذ کے لیے عالمی سطح پر کام کیا جائے۔ بلکہ اسلام کی دعوت اگرچہ عالمی ہے لیکن اِس کے نفاذ کے لئے کام کرنے کا مرکز کسی ایک ملک یا کچھ ممالک کو بنایا جائے تاکہ وہ علاقے اس کا مرکز بنیں اور جب کسی ایک جگہ پر اسلامی ریاست وجود میں آجائے گی تو پھر وہ طبعی طور پر آگے بڑھے گی۔۔۔"

اس عبارت سے میں جو سمجھا ہوں وہ یہ کہ دعوت اور عمل کے درمیان فرق ہے، گویا حزب کے نزدیک ان کے لیے مخصوص اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔جیسا کہ مصنف نے کہا ہے کہ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نفاذ کے لیے کام عالمی نہ ہو بلکہ صرف یہ ضروری ہے کہ ابتدائی طور پر اس کے لیے عالمی سطح پر دعوت دی جائے۔ایک اور جگہ التکتل الحزبی میں مصنف کہتا ہے: ''اس دوران اس گروہ کو گرم و سرد موسم، تند و تیز ہواؤں اور صاف و گرد آلود فضاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس جب یہ حزبی گروہ ان عوامل کا سامنا کرتا ہے، تب اس کی فکر میں شفافیت آتی اور اس کا طریقہ نکھر جاتا ہے، وہ اپنے ممبران کو تیار کرنے اور ان کے درمیان ربط و تعلق کو مضبوط بنانے میں کامیاب

ہو جاتی ہے، اور یہ حزب اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ دعوت کے میدان میں عملی قدم اٹھائے اور ایک کتلہ سے ایک مکمل آئیڈیولاجیکل حزب میں تبدیل ہو جائے، جو درست نشاۃ ثانیہ کے لیے سر گرم ہو۔۔۔"۔

حزب التحریر نے نقطہ آغاز (The Starting Point) میں بھی واضح کیا ہے کہ: "اس لیے یہ واجب ہے کہ دعوت حزب کی شکل میں اور اس کے نام سے دی جائے، یعنی دعوت اسلام کی طرف ہو اور عمل اسلامی زندگی کی بحالی کے لیے ہو، لیکن اسلام دعوت کا بار اٹھانے والی اور اسلامی زندگی کی بحالی کے لیے کام کرنے والی حزب التحریر ہی ہے"۔

میرا سوال ہے کہ:

اَ۔ کیا حزب التحریر دعوت اور عمل کے متعلق کوئی خاص فہم رکھتی ہے؟

ب۔ اور کیا دعوت اور عمل میں کوئی فرق موجود ہے؟

اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور اسلامی خلافت کا قیام دے۔ اگر میں کچھ غلط سمجھا ہوں تو معافی چاہتا ہوں اور آپ کی طرف سے تصحیح کا طالب ہوں۔ اللہ جلد ہمیں اپنی نصرت دے اور تب ہی مومنین خوشیاں منائیں گے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جی ہاں! التکتل میں جس عبارت سے متعلق آپ نے پوچھا ہے، اس کے تناظر میں "اسلام کی طرف دعوت" اور "اسلام کے لیے کام کرنے" کے درمیان فرق ہے۔

اسلام کی طرف دعوت تو اس کے افکار کو لے کر اُٹھنا اور اس کی تبلیغ اور تشریح ہے، جہاں تک اسلام کے لیے کام کرنے کی بات ہے تو اس کا مطلب اس کو زندگی، ریاست اور معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے سعی وجدوجہد کرنا

ہے۔اس کا طریقہ ایسے سیاسی گروہ کا قیام ہے جو اسلام کی علمبردار بنے،اس طرح کہ کسی خاص علاقے میں یا کئی علاقوں میں وہاں کے معاشرے کو تبدیل کرنے ، ریاست کے قیام اور زمامِ حکومت ہاتھ میں لینے کے لیے کام کرے۔ پھر ریاست کے ذریعے دعوت کو مسلم دنیا کو یکجا کرنے اور پوری دنیا تک اسلام پھیلانے اور نافذ کرنے کا علمبردار بنے۔آپ نے التکتل کی کتاب سے اپنے سوال میں جو سطور نقل کیے ہیں،اسی طرح بعد کی سطور میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے، کتاب التکتل میں یوں آیا ہے:

"ہمارا اعتقاد ہے کہ نشاۃ ثانیہ کا حقیقی فلسفہ وہ آئیڈیالوجی ہے جو فکر اور طریقہ پر مشتمل ہوتی ہے، یہ آئیڈیالوجی اسلام ہے کیونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس سے ریاست اور امت کے تمام امور کو چلانے کے لیے ایک نظام اخذ ہوتا ہے اور زندگی کی تمام مشکلات کا حل نکلتا ہے۔ اگرچہ یہ نظام ایک عالمی نظام ہے تاہم اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ابتدا ہی سے اِس کے نفاذ کے لیے عالمی سطح پر کام کیا جائے۔ بلکہ اسلام کی دعوت اگرچہ عالمی ہے لیکن اِس کے نفاذ کے لئے کام کرنے کا مرکز کسی ایک ملک یا کچھ ممالک کو بنایا جائے تاکہ وہ علاقے اس کا مرکز بنیں اور جب کسی ایک جگہ پر اسلامی ریاست وجود میں آجائے گی تو پھر وہ طبعی طور پر آگے بڑھے گی یہاں تک کہ وہ پہلے تو تمام اسلامی ممالک کو اپنے اندر ضم کرلے گی اور پھر یہ اسلامی ریاست اسلام کی دعوت کو پوری دنیا کے سامنے پیش کرے گی،اس اعتبار سے کہ اسلام پوری انسانیت کے لیے ایک عالمی اور دائمی پیغام ہے"۔(اقتباس ختم)

اسی طرح کتاب "مفاهيم حزب التحرير" میں اس کو مزید واضح بیان کیا ہے:

"عمل کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اس جگہ کا تعین ناگزیر ہے جہاں سے عمل شروع کیا جائے،اس طرح اس جماعت کا بھی تعین ضروری ہے جو اس کام کا آغاز کرے۔جی ہاں! اسلام تو عالمی ہے وہ پوری انسانیت کو مدِ نظر رکھتا ہے، تمام انسانوں کو برابر تصور کرتا ہے اور دعوت کے لئے ماحول، فضاء اور علاقے وغیرہ کے اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کو دعوت کو قبول کرنے کا اہل سمجھتا ہے،اور مسلمانوں کو پوری انسانیت تک دعوت کو پہنچانے کا ذمہ دار خیال کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ عالمی سطح پر اس دعوت کے لئے کام کا آغاز نہیں کرتا، بلکہ اس کو ناکام کوشش سمجھتا ہے جس سے کوئی مطلق نتیجہ نہیں نکلتا۔ دعوت کی ابتدا ایک فرد سے ہونی چاہیے اور اس کا اختتام پوری

دنیا پر ہو۔ اس لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ دعوت کا آغاز کسی ایک جگہ مضبوط ہو جائے تاکہ یہ جگہ اس دعوت کا نقطہ آغاز بن جائے، پھر اس جگہ کو یا کسی اور ایسی جگہ کو جہاں دعوت مضبوط ہو جائے، دعوت کو پھیلانے کے لئے نقطہ انطلاق (روانہ ہونے) کی جگہ بنایا جائے جہاں سے دعوت آگے بڑھتی رہے۔ پھر اس جگہ کو یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ کو نقطۂ ارتکاز بنایا جائے جہاں وہ ریاست قائم ہو جو دعوت کا مرکز بنے اور اپنے طریقے پر طبعی طور پر چلتی رہے، یعنی جہاد کے طریقے پر"۔ (کتاب مفاہیم حزب التحریر سے اقتباس ختم ہوا)

لہٰذا، ان دونوں میں فرق ہے، یعنی ایک عالمی نظام کے طور پر "اسلام کی طرف دعوت" جو اس لائق اور قابل ہے کہ اس کی طرف بلایا جائے اور دعوت دی جائے اور اسے پوری دنیا میں انسانوں تک پہنچایا جائے، اور "اسلام کیلئے کام" کرنا، جو یہ ہے کہ قابلیت رکھنے والی جگہ کو ایک یا ایک سے زیادہ ممالک تک محدود کرتے ہوئے، تاکہ ان ممالک میں معاشرے کو تبدیل کیا جاسکے، وہاں ایسی ریاست کو قائم کرنا جو اسلام کے ذریعے حکمرانی کرے اور اسلام کو دعوت وجہاد کے ذریعے پوری دنیا تک لے جائے۔

امید ہے کہ بات واضح ہو گئی۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

21 رجب، 1442ھ

بمطابق 5 مارچ، 2021ء

فہرست

سوال وجواب: مسلمان کی وہ نماز جو چھوٹ گئی، اس کی گردن پر ایک قرض ہے، جس کی ادائیگی ضروری ہے

(عربی سے ترجمہ)

سائل: محمد الحج

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

کچھ عرصہ پہلے ہی آپ کے پیج کا پتہ چلا، اس پیج کے وزٹ کرنے میں حزب التحریر کے شباب میں سے میرے ایک دوست نے تعاون کیا، یقین کریں مجھے آپ کی تحریر میں حاضر جوابی اور قوت استدلال بہت پسند آئی، بالخصوص فقہی سوالات کے جوابات بہت پسند آئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ اس نیک کام کے لیے آپ کی عمر دراز فرمائے، آپ کی علم میں مزید وسعت دے، اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی اسی راستے کی طرف ہدایت دے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ راضی ہوتے ہیں۔

اُمید ہے آپ میرے مندرجہ ذیل سوال کا جواب دیدیں گے: میں نے باقاعدگی سے نماز پڑھنے کا فیصلہ بالآخر بلوغت کی عمر کے کئی سال بعد کر لیا، الحمد للہ۔ تو سوال یہ ہے کہ: میری جو نمازیں قضاء ہوئی ہیں، کیا ان کی قضا لانا مجھ پر واجب ہے، یا قضا لائے بغیر اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

سب سے پہلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر وبھلائی کا راستہ دکھایا اور آپ نے نماز کی پابندی شروع کی، اس کی ادائیگی کا شوق ہوا، اور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے آپ کے لیے مدد اور ثابت قدمی کی دعا کرتا ہوں۔

جہاں تک بات ہے ان قضاشدہ نمازوں کی، جو ماضی میں بلوغت کے بعد آپ نے ادا نہیں کی تھیں، جبکہ شرعاً آپ اس کے مکلف تھے، تو چونکہ آپ مسلمان ہیں، تو جو نمازیں آپ کی رہ گئی ہیں، یعنی ادا نہیں کیں، وہ آپ کے ذمے قرض ہیں، جن کی قضا لازم ہے۔ اس لیے آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ ہوش سنبھالنے کے زمانے سے لے کر نماز شروع کرنے تک کے دنوں کا حساب لگائیں، مثلاً اگر یہ تین سال کا زمانہ ہے، تو آپ پر تین سال کی نمازیں قضا لانی ضروری ہے، یعنی روزانہ کی پانچ فرض نمازوں کی قضا لانی ہے، جہاں تک نمازوں کے ساتھ سنتوں کا تعلق ہے تو ان کی قضا آپ پر لازم نہیں۔

قضا لانے کے لیے نظام بنانا اور اس میں آسانی اس طرح ممکن ہے کہ آپ روزانہ ہر نماز کے بعد گزشتہ کی قضاشدہ نماز اس وقت کی نماز کے ساتھ پڑھ لیں، آپ وقتی نماز کے ساتھ ایک سے زائد قضا نمازیں بھی پڑھنا چاہیں تو یہ اور اچھی بات ہے، تو آپ نے اس طریقے سے قضا نمازیں لوٹانی ہیں، یہاں تک کہ تمام سالوں کی نمازوں کی قضا پڑھی جائے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان نمازوں کی قضا لانے میں آپ کا معاون ومددگار بنے، نیز آپ کو اپنے وقت پر تمام نمازیں پڑھنے کا مزید شوق وجذبہ عطا فرمائے۔

اس امر سے متعلق شرعی دلائل کے بیان کرنے کے سلسلے میں، کتاب احکام الصلوٰۃ میں سے کچھ نقل کیے دیتا ہوں۔

(بغیر کسی شرعی عذر کے جان بوجھ کر نماز کو اپنے وقت سے ٹالنا قرآنی نص کی بنیاد پر قطعی حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ * الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ "پھر بڑی خرابی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز میں کوتاہی کرتے ہیں"** (سورۃ الماعون: 5-4)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ**

خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾۔ "**پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آجائے گی**"(سورۃ مریم:59)۔

یہ بات ایک متواتر حدیث کے مفہوم سے بھی ثابت ہے، جس میں نماز کے اوقات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرض نماز کے لیے ابتدا و انتہاء کے اعتبار سے مخصوص وقت بنایا ہے، یعنی نماز کے اوقات مخصوص وقت میں شروع ہو جاتے ہیں اور مخصوص وقت میں ختم ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: « **مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ**» "**جس کی عصر کی نماز چھوٹ گئی تو گویا اس کا اہل اور مال سارا کا سارا اس سے چھین لیا گیا**"۔ اور آنحضرت ﷺ نے نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کے بارے میں فرمایا:« **لَيْسَ التَّفْرِيطُ فِي النَّوْمِ إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ**» "**نیند میں کوئی کوتاہی نہیں، بے شک کوتاہی بیداری میں ہے**"۔

جس کی فرض نماز چھوٹ جائے تو وہ اس کی قضا لائے، خواہ یہ چھوٹ جانا کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے۔ کیونکہ نماز کی قضا لانا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ: "ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، ہم رات بھر چلتے رہے، تاآنکہ رات کا آخری پہر ہوا تو ہم کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے، مسافر آدمی کے لیے اس وقت کی نیند سے زیادہ میٹھی نیند کوئی نہیں، سو ہم جاگ نہ سکے یہاں تک کہ سورج کی تپش نے ہمیں جگادیا، پس جب نبی ﷺ جاگ گئے تو صحابہؓ نے اس واقعے پر افسوس کا اظہار کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:« **لا ضير ولا ضرر ارتحلوا فارتحلوا فسار غير بعيد ثم نزل فدعا بالوضوء فتوضأ ونودي بالصلاة فصلى بالناس**» "**کوئی نقصان نہیں اور پریشانی والی بات نہیں، چلو، تو صحابہ چلنے لگے، پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر تک چلے پھر اپنی سواری سے نیچے اُترے، پھر وضو کے لیے پانی طلب کیا، وضو کیا، پھر نماز کے لیے اذان دی گئی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی**"۔ اور وہ روایت بھی دلیل ہے جسے جابرؓ سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد آئے، پھر وہ کفار قریش کو کوسنے لگے اور کہا:((يا رسول الله ما كدت أصلي العصر حتى كادت الشمس تغرب،

فقال النبي ﷺ «والله ما صليتها، فقمنا إلى بطحان فتوضأ للصلاة وتوضأنا لها فصلى العصر بعدما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب»)) " یارسول اللہ! میں تو عصر کی نماز نہ پڑھ سکا، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے بھی نماز نہیں پڑھی، پھر بطحان کی طرف گئے، تو نبی ﷺ نے نماز کے لیے وضو کیا، ہم نے بھی وضو کیا، تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی، جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی"۔ نیز وہ روایت بھی اس کی دلیل ہے جو انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ :((أن النبي ﷺ قال: «من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك)) "نبی ﷺ نے فرمایا: جس کی نماز بھول کر رہ جائے تو جب اسے یاد آئے، پڑھ لے، اس کا کفارہ اس کے سوا کچھ نہیں"۔ اسی طرح ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:((حبسنا يوم الخندق عن الصلاة حتى كان بعد المغرب يهوي من الليل كفينا: وذلك قول الله عز وجل: ﴿وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيّاً عَزِيزاً﴾. قال فدعا رسول الله ﷺ بلالاً فأقام الظهر فصلاها فأحسن صلاتها كما كان يصليها في وقتها، ثم أمره فأقام العصر فصلاها فأحسن صلاتها كما كان يصليها في وقتها، ثم أمره فأقام المغرب فصلاها كذلك)) "ہمیں خندق کے دن نماز سے روکا گیا، یہاں تک کہ مغرب کے بعد ہماری کفایت کی گئی، اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيّاً عَزِيزاً﴾'اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی طرف سے لڑائی کے لیے کافی ہوا اور اللہ تعالیٰ قوت والے اور غالب ہے'(الاحزاب:25)، میں اسی کا ذکر ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو بلایا، انہوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، اور بہت عمدہ پڑھی، ایسے پڑھی جیسے آپ ﷺ اپنے وقت میں پڑھا کرتے تھے، پھر بلال کو حکم فرمایا، تو اس نے عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی، پھر آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھی، اور جسے آپ ﷺ اپنے وقت میں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح بہت عمدہ انداز سے پڑھی، آپ ﷺ نے بلال کو پھر حکم دیا، اس نے مغرب کی نماز کی اقامت کہی، پھر آپ ﷺ مغرب کی نماز بھی اسی طرح بہترین پڑھی"۔ نیز آپ ﷺ کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ جب ایک خثعمی لڑکی نے آپ ﷺ سے پوچھا اور کہا: یارسول اللہ! میرے والد پر نہایت بڑھاپے میں حج فرض ہوا کہ حج ادا نہیں کر سکتا تھا، اگر میں اس کی طرف سے حج ادا کروں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((أرأيت لو كان على أبيك دين فقضيته أكان ينفعه ذلك؟ قالت: نعم. قال: فدين الله أحق بالقضاء)) **"آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ کے والد پر کوئی قرض ہوتا اور آپ وہ قرض اس کی طرف سے دیدیتی تو اس سے اس کو فائدہ پہنچ جاتا؟ اس لڑکی نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: پس اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے"**۔ تو یہ تمام احادیث نماز لوٹانے کے بارے میں بالکل واضح ہیں، یعنی یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کی قضا واجب ہے، اور نماز چھوڑنے کا اس کے سوا کوئی کفارہ نہیں کہ اس کی قضا لائی جائے، خواہ کسی عذر کی وجہ سے چھوڑی ہوں یا بلا عذر چھوڑی ہوں، کیونکہ یہ سب احادیث صریح ہیں۔

یہ نہ کہا جائے کہ یہ احادیث سب مخصوص حالات سے متعلق ہیں، یعنی نیند، بھول، اور جنگ، یا قدرت نہ ہونا۔ یہ سب شرعی عذر ہیں جن کی وجہ سے نماز اگر اپنے وقت سے مؤخر بھی ہو جائے، اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ قضا ایسے عذر کے ساتھ مخصوص ہو گی۔ اس میں ان کے علاوہ دیگر حالات شامل نہیں ہوں گے۔ یہ حالات جان بوجھ کر چھوڑنے کے برعکس ہیں، جان بوجھ کر چھوڑی گئی نماز کی قضا سے متعلق کوئی نص نہیں آئی ہے۔

تو ایسا کہنا بے جا ہے، کیونکہ ان حوادث میں نیند، بھول اور جنگ نماز کی قضا واجب ہونے کے لیے بطور شرط وارد نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ اس پیش آمدہ واقعہ کی ایک صفت کے طور پر آئے ہیں، اس سے شرط اور قید والی صفت نہیں سمجھی جانی چاہیے، اس طور پر کہ گویا قضا کرنے کا حکم صرف انہی حالات کے ساتھ مقید ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث کو تو آپ نے پڑھ لیا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کس طرح کفارِ قریش کو کوستے ہیں، اور آپ ﷺ سے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں تو عصر کی نماز نہ پڑھ سکا ہوں، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: **«وَاللَّهِ مَا صَلَّيْتُهَا»** **"اللہ کی قسم میں نے بھی نہیں پڑھی"**۔ پھر وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔ اس حدیث میں اس قسم کی کوئی قید نظر نہیں آتی جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ اسی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی حالات کے بارے میں بھی یہی ہے، حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے کہ قضا کا حکم مذکورہ واقعے کے ساتھ خاص تھا، اور اس کے علاوہ دیگر حالات کے لیے نہیں۔ بلکہ یہ تمام احادیث جن میں ان مخصوص حالات کا ذکر ہے، ایک واقع کے بیان کے طور پر

آئی ہیں، کسی قید یا شرط کے بیان کے لیے نہیں۔ اور ان میں نماز کی قضا کی تخصیص کا کوئی سبب واضح نہیں، جیسا کہ حدیث کو بغور پڑھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے۔

جہاں تک ان احادیث کی بات ہے جس میں وصف کے معنی کے ساتھ فعل مذکور ہے، مثلاً: "من نام"، جو کوئی سوتا رہ جائے اور "او نسیھا"، یا بھول جائے، "او غفل"، یا غافل رہے، "من نسی"، جو کوئی بھول جائے۔ تو یہ تمام الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں وصف کی قید کا اعتبار کیا گیا ہے، اور اس حوالے سے مفہوم مخالفہ کا اعتبار ہو گا، کیونکہ صفت کا مفہومِ مخالف متعبر ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اگر اس کو قید و شرط نہ سمجھا جائے تو اس وصف کا ذکر عبث اور بے فائدہ ہو گا، اور حدیث عبث باتوں سے پاک ہیں۔ لیکن ان نصوص کے مفہوم مخالفہ پر دیگر نصوص کی وجہ سے عمل معطل ہو گا۔ اصول یہ ہے کہ جب ایک نص ایسی آجائے جس کا منطوق یعنی متن دوسری نص کے مفہوم کے برعکس معنی پر دلالت کرتا ہے، تو مفہوم معطل ہو گا اور منطوق پر عمل ہو گا، کیونکہ معنی پر منطوق (متن کے لفظی معنی) کی دلالت مفہوم کی دلالت سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ ان احادیث کا مفہوم بھی ان دیگر احادیث کی وجہ سے معطل ہے جو دیگر مواقع میں نماز کی قضا واجب ہونے سے متعلق وارد ہوئی ہیں، جیسے جنگ کی حالت میں۔

حج کی قضا والی حدیث جس میں آیا ہے کہ "پس اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے"، یہ الفاظ عام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر قرض کو گھیرے ہوئے ہیں۔ نماز اللہ کا قرض ہے، پس یہ بھی (اللہ کا قرض) کے عموم میں داخل ہے۔ کیونکہ اللہ کا قرض اسم جنس مضاف ہے، یہ قطعی عموم کے صیغوں میں سے ہے، لہٰذا یہ یقیناً عمومیت ہی کی ایک شکل ہے۔ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینے والا بھی اس کی قضا کا مخاطب ہے جس طرح ہر مسلمان اس سے مخاطب ہے، اور اس پر بھی نماز کی ادائیگی لازم تھی، اور ایک قرض کی طرح اس کی گردن پر ہے۔ قرض صرف ادائیگی سے اترتا ہے، اسی طرح نماز وقت نکلنے سے ذمے سے نہیں اترتی، تاآنکہ اس کو ادا کیا جائے۔ اپنے وقت میں جان بوجھ کر نماز ترک کرنے کا گناہ الگ ہے۔) یہاں تک کتاب احکام الصلوٰۃ سے اقتباس مکمل ہوا۔

امید ہے کہ یہ آپ کے لیے کافی ہو گا، واللہ اعلم واحکم۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

23 رمضان 1442ھ

5 مئی 2021ء

فہرست

سوال وجواب: "نہ نقصان پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا" کا قائدہ اور اس کا کورونا وائرس اور نماز میں فاصلے سے تعلق

(عربی سے ترجمہ)

سائل: مکلیس امین

سوال:

السَّلامُ علیکم

مجھے پہلے سوال کا جواب نہیں ملا، اور یہاں میں اسے دوسرے سوال سے جوڑ رہا ہوں، جو کہ زیادہ ضروری ہے۔

ہمارے محترم شیخ، اللہ آپ کو سلامت رکھے: مجھے " نہ نقصان پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا" کے اصول (کی وضاحت کرنے) کیلئے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

کتاب اسلامی شخصیت جلد 3 میں، جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس سے میں جو سمجھا ہوں اس کے مطابق نقصان کا تعلق اشیاء سے ہے اعمال سے نہیں، اگر ایسا نہیں ہے تو، پھر کیا نقصان کی موجودگی کے امکان کی وجہ سے، کورونا وائرس کی وبا پر نقصان پہنچانے کے قائدے کو نافذ کرتے ہوئے، نماز میں فاصلے کی اجازت دینا صحیح ہے؟

براہِ کرم، استدلال کرنے کے لئے کچھ تفصیلات بیان کریں۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

ہم نے کتاب، اسلامی شخصیت جلد 3، صفحہ 475-471 [ورڈ فائل] میں نقصان کے حکم کے موضوع پر تفصیل سے بات کی ہے، کتاب میں بیان ہے:

[نقصان کے حکم میں دو معاملات شامل ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ چیز بذاتِ خود نقصان دہ ہے، اور شارع کے خطاب میں اس کو (استعمال) کرنے کی طلب، چھوڑنے کی طلب کی کوئی دلیل موجود نہیں یا اباحت سے متعلق کوئی مخصوص دلیل موجود نہیں، لہذا اس کا خود نقصان دہ ہونا ہی اس کی ممانعت کی دلیل ہے کیونکہ شارع نے نقصان سے منع کیا ہے۔ اور اس کا قاعدہ یہ ہے: "نقصان کے سلسلے میں بنیادی قائدہ یہ ہے کہ وہ حرام ہے"۔

دوسری معاملہ یہ ہے کہ شارع نے عمومی چیز کی اجازت دی ہے، لیکن اس عمومی طور پر مباح چیز کے کسی ایک حصے میں نقصان ہے، لہذا یہ حقیقت کہ اس کا ایک حصہ نقصان دہ ہے یا نقصان کی طرف لے جاتا ہے، اس حصہ کی ممانعت کی دلیل ہے، کیونکہ قانون ساز نے مباح حصوں کے ایک حصے کو ممنوع قرار دے دیا ہے، اگر وہ حصہ نقصان دہ ہے یا نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اور اس کا قاعدہ یہ ہے: **(كل فرد من أفراد المباح، إذا كان ضاراً أو مؤدياً إلى ضرر، حرم ذلك الفرد وظل الأمر مباحاً)** "مباح کا ہر حصہ، اگر وہ نقصان دہ ہے یا نقصان تک پہنچاتا ہے تو اس حصے کی ممانعت ہے اور باقی معاملہ مباح ہی رہے گا"۔

جہاں تک پہلے معاملے کی بات ہے تو، اس کا ثبوت یہ ارشاد ہے: **«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ فِي الإِسْلاَمِ»** **"اسلام میں نہ تو نقصان پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا"** (طبرانی)، ابوداؤد نے ابو صِرمہ مالک بن قیس الانصاری کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **«مَنْ ضَارَّ أَضَرَّ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ«** **"جس نے بھی نقصان پہنچایا، اللہ اسے نقصان پہنچائے گا۔ اور جو (لوگوں پر) سخت ہے، اللہ اس پر سختی کرے گا"**۔ یہ دونوں احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ شارع نے نقصان سے منع کیا ہے...

جہاں تک دوسرے معاملے کی بات ہے تو، اس کا ثبوت یہ ہے کہ: «قد كانَ رسولُ اللَّهِ ﷺ حينَ مَرَّ بالْحِجْرِ، نَزَلَها، واستقى الناسُ من بِئْرِها، فلمّا راحوا قالَ رسولُ اللَّهِ ﷺ: **لا تَشْرَبوا من مائها شيئاً، ولا تتوضئوا منه للصلاة، وما كانَ من عَجِينٍ عَجَنْتُمُوهُ فأعْلِفوهُ الإبِلَ، ولا تأكُلوا منه شيئاً، ولا يَخْرُجَنَّ أحدٌ منكُمُ الليلةَ إلاّ ومعه صاحبٌ له...**» "جب رسول اللہ ﷺ حجر کے قریب سے گزرے تو وہ اترے، لوگوں نے اس کے کنویں سے پانی پیا، اور جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اس کے پانی سے کچھ بھی نہ پیو اور اس سے وضو نہ کرو اور جو آٹا تم نے گوندھا، اسے اپنے اونٹوں کو کھلا دو اور اس میں سے کچھ نہ کھاؤ، اور تم میں سے کوئی بھی رات کو کسی ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلے...** "ابنِ ہشام نے اپنی سیرت میں اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔ اس واقعہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح جائز حصے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ پانی پینا جائز ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ پانی حجر کے کنویں سے پینے سے منع کیا اور اس سے وضو کرنے سے منع کیا۔ کسی شخص کے لئے رات میں تنہا باہر جانا جائز ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس رات ان کو کسی ساتھی کے بغیر باہر جانے سے منع کیا۔ پھر یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ نے اس پانی کو صرف اس وجہ سے منع کیا کہ اس میں موجود نقصان آپ ﷺ پر واضح تھا اور آپ ﷺ نے تنہا باہر جانے سے منع کیا کیونکہ اس میں موجود نقصان آپ ﷺ پر واضح تھا۔... نقصان کی موجودگی اس چیز کی ممانعت نہیں کرتی جو شریعت میں مباح ہے، لیکن اس کے کسی حصے میں نقصان کی موجودگی اس حصے کو ممنوع کرتی ہے، لیکن وہ باقی پورا معاملہ مباح رہتا ہے، چاہے وہ عمل ہو یا چیز۔

یہ اس وقت ہے جب مباح حصہ بذاتِ خود نقصان دہ ہے، لیکن اگر وہ نقصان تک پہنچاتا ہو تو اس کی دلیل یہ روایت ہے: «أَنَّ رسولَ اللَّهِ ﷺ أقامَ بِتَبُوك بِضْعَ عَشْرَةَ ليلةً لَمْ يُجاوِزْها، ثُمَّ انصرَفَ قافِلاً إلى المدينة، وكانَ في الطريق ماءٌ يَخْرُجُ من وَشَلٍ، ما يُروي الراكبَ والراكبين والثلاثة، بِوادٍ يُقالُ له وادي الْمُشَقَّقِ، فقالَ رسولُ اللَّهِ ﷺ: **مَنْ سَبَقَنا إلى ذلك الوادي فلا يَسْتَقِيَنَّ منه شيئاً حتى نَأْتِيَهُ...**» "اللہ کے رسول ﷺ نے دس راتوں سے محض کچھ زیادہ قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس روانہ ہو گئے، اور راستے میں ایک وادی جسے وادیٔ مشقق کہتے ہیں، اس میں پانی آیا جو پتھروں کے درمیان سے بہ رہا تھا اور ایک، دو یا تین سواروں کی پیاس بجھانے کے لئے کافی تھا۔ پھر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: **جو شخص اس وادی کی طرف ہم سے سبقت لے جائے، اس کو اس میں سے کچھ نہیں پینا یہاں تک کہ ہم پہنچ جائیں "**۔ابنِ ہشام نے اپنی سیرت میں بیان کیا۔اس حدیث میں، رسول اللہ ﷺ نے وہ تھوڑا سا پانی پینے سے منع کیا، کیونکہ یہ باقی فوج کی پیاس کا باعث بن جاتا، آپ ﷺ نے فرمایا: **»مَنْ سَبَقَنا إلى ذلكَ الوادي فلا يَسْتَقِيَنَّ منه شيئاً حتى نَأْتِيَهُ« "جو شخص اس وادی کی طرف ہم سے سبقت لے جائے، اس کو اس میں سے کچھ نہیں پینا چاہئے یہاں تک کہ ہم پہنچ جائیں ۔**

اور جنہوں نے (رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کے باوجود) یہ پانی پی لیا اس پر آپ ﷺ کا لعنت کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ جب تک آپ ﷺ نہ پہنچ جائیں، اس سے کچھ بھی لینا منع تھا۔ تو پانی پینا (عمومی طور پر) مباح ہے، اور وادی میں اس پانی کو پینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس مخصوص موقع پر اسے پینا، اس سے پہلے کہ نبی ﷺ وہاں پہنچیں اور اسے فوج میں تقسیم کرنا، باقی فوج کی محرومی کا باعث تھا، یعنی یہ ضرر تک پہنچاتا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس وادی سے پانی پینے سے منع کر دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ وہاں پہنچ جائیں۔

لہذا، حقیقت یہ ہے کہ کوئی شے اگر نقصان تک پہنچائے تو اس بنا پر وہ تمام شے حرام نہیں ہے کہ جسے شریعت نے مباح قرار دیا ہو، بلکہ اگر اس کے ایک حصے سے نقصان پہنچتا ہے تب اس حصے کی ممانعت ہے، لیکن عمومی معاملہ مباح ہے، چاہے وہ کوئی عمل ہو یا کوئی چیز۔ لہذا، ان دونوں صورتوں کو بیان کرنے والی ان احادیث کہ کوئی چیز بذاتِ خود نقصان دہ ہے اور کوئی چیز نقصان تک پہنچانے کا باعث بنتی ہے، اس سے دوسرا قاعدہ اخذ کیا گیا ہے، جو یہ ہے کہ: "مباح کا ہر حصہ، اگر وہ نقصان دہ ہے یا نقصان تک لے جاتا ہے تو اس حصے کی ممانعت ہے اور باقی معاملہ جائز ہے"، اور یہ نقصان کے اصول کے دو معاملات میں سے دوسرا معاملہ ہے...] اقتباس کا اختتام ہوا۔

دو حصوں پر مشتمل نقصان کے قائدے پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنے سوال میں کورونا میں (نماز میں) فاصلے کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے، یہ اس پر یہ لاگو نہیں ہوتا:

1- جہاں تک قاعدے کے پہلے حصے کی بات ہے، تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کام کو کرنے، یا نہ کرنے یا تاخیر کے لئے کوئی متن موجود نہ ہو، اور اگر کوئی متن موجود ہے تو پھر متن میں بیان کردہ کو ہی نقصان پر بحث کے لیے اختیار کیا جاتا ہے... اور یہ نماز کے دوران فاصلہ رکھنے پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ باجماعت نماز میں صف بندی کے بارے میں ایک متن موجود ہے، یعنی کہ فاصلہ رکھنے کی ممانعت ہے، لہذا نقصان کو جواز بنا کر قائدے کے اس حصے کو اس پر لاگو نہیں یا جاسکتا۔

2- جہاں تک قاعدہ کے دوسرے حصے کی بات ہے تو عمومی معاملے کا مباح ہونا ضروری ہے، پھر اس کے کسی حصے کی ممانعت ہوتی ہے۔ صفوں میں ترتیب کے بارے میں ایسے دلائل موجود ہیں جو اس کو فرض یا مندوب بناتے ہیں یعنی نمازیوں کے درمیان فاصلہ مباح نہیں ہے، لہذا یہ قاعدے کے اطلاق سے باہر ہے۔

3- اسی وجہ سے یہاں ضرر (نقصان) کا قائدہ لاگو نہیں ہوتا، بلکہ صفوں کی ترتیب کے سلسلے میں مسجد میں نماز کے بارے میں شرعی حکم دیکھا جاتا ہے... پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کی پابندی کا حکم دیا اور اگر مریض بیمار ہو تو جمعہ کی نماز یا اجتماعی نماز میں نہ جانے کی اجازت دی:

ا- اللہ سبحانہ وتعالی کے قول کے سبب جمعہ کی نماز فرض ہے: **)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ("اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف بڑھو اور تجارت چھوڑ دو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم اس کا ادرک رکھتے ہو"** [الجمعہ: 9]۔ یہاں ایک جائز کام (فروخت) کی ممانعت اور جمعہ کی نماز کے لئے آگے بڑھنے کی تاکید ہے جو حتمی قرینہ ہے کہ جمعہ (کی نماز) واجب ہے۔

ب- اس بات کا ثبوت کہ بیمار شخص کو جمعہ کی نماز کے پابند ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، یہ وہ بات ہے جس کو حاکم نے ابو موسیٰ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا»: **الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوْ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ"«جمعہ کی نماز ہر**

مسلمان پر فرض ہے، ان چار کے علاوہ: غلام، عورت، بچہ اور بیمار"۔ الحاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے ، مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ نسائی نے ابن عمار سے، انھوں نے حفصہؓ، رسول اللہ ﷺ کی زوجہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا»: **رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ" «بلوغت تک پہنچنے والے ہر فرد پر جمعہ کو نہانا واجب ہے"**۔

4- صفوں میں ترتیب سے متعلق متن اپنی طلب میں واضح ہے، مسلم نے جابر بن سمرۃؓ سے روایت کیا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟» فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: «يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ» "کیوں تم اپنے آپ کو صفوں میں ترتیب نہیں دیتے ہو جیسے فرشتے اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہوئے کرتے ہیں؟" ہم نے پوچھا، "اے اللہ کے رسول ﷺ! فرشتے اپنے رب کی بارگاہ میں صفوں میں خود کو کس طرح کھڑا کرتے ہیں؟" آپ ﷺ نے جواب دیا: "وہ پہلی قطاریں مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے جُڑ کر کھڑے ہوتے ہیں"**۔ احمد نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا«: **أَقِيمُوا الصُّفُوفَ فَإِنَّمَا تَصُفُّونَ بِصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِينُوا فِي أَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفّاً وَصَلَهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَمَنْ قَطَعَ صَفّاً قَطَعَهُ اللَّهُ» "قطاریں ترتیب سے بناؤ، کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو، خلاء کو پُر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں نرمی اختیار کرو** (یعنی اگر کوئی آدمی تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر صف میں برابر کرے تو اس کا کہنا مانو)، **اور شیطان کے لئے راستہ نہ چھوڑو۔** جس آدمی نے صف کو ملایا (یعنی صف میں خالی جگہ پر جا کھڑا ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے فضل اور اپنی رحمت سے) ملا دے گا اور (یاد رکھو) جو شخص صف کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ ڈالے گا۔

5 - ہم پہلے ہی اس موضوع پر متعدد تفصیلی جوابات جاری کر چکے ہیں، اور میں آپ کو اس موضوع پر دو جوابات کا حوالہ دیتا ہوں:

پہلا جواب 17 شوال 1441 ہجری کو 8 جون 2020 عیسوی کو تھا۔

دوسرا: اس کے مطابق، اگر مسلم ممالک کے حکمران نمازیوں کو مجبور کریں کہ وہ اپنے ساتھ والے سے ایک یا دو میٹر دور ہو جائے، خواہ جمعہ کے دن ہو یا کسی باجماعت نماز میں وباء کے ڈر سے، خاص طور پر بغیر کسی علامات کے، تو وہ ایک بہت بڑا گناہ کرتے ہیں۔ یہ فاصلہ رکھنا ایک بدعت ہے، کیوں کہ یہ خلاف ورزی ہے، یہ صفیں بنانے اور قریب کھڑے ہونے کے طریقہ کار سے واضح انحراف ہے جس کی رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے شرعی دلیل موجود ہے۔۔۔

تیسرا: یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وبائی بیماری عذر ہے جو نماز میں فاصلے کی اجازت دیتی ہے، کیونکہ وبائی بیماری مسجد میں نہ جانے کا عذر تو ہے لیکن ساتھ والے نمازی سے ایک یا دو میٹر کے فاصلے پر دور رہنے کا عذر نہیں!! کیونکہ وبائی بیماری (طاعون) رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی رونما ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نہیں ملی ہے کہ مرض میں مبتلا شخص نماز پڑھنے جاتا ہے اور اپنے بھائی سے دو میٹر کے فاصلے پر رہتا ہے، بلکہ وہ معذور ہے اور اپنے گھر میں ہی نماز پڑھے... یعنی، ایک وبائی مرض کا مریض صحت مند لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں کرتا اور اللہ کے اذن سے اس کا مناسب علاج کیا جاتا ہے۔ جہاں تک صحتمند شخص ہے، تو وہ مسجد جاتا ہے اور بغیر کسی فاصلے کے، معمول کے مطابق جمعہ اور باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ [17 شوال 1441ھ بمطابق 8 جون 2020ء] اختتام۔

دوسرا جواب 14 اکتوبر 2020ء کو دیا گیا تھا اور میں اس کا حوالہ دیتا ہوں:

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہے کہ نمازِ جمعہ ایک فرضِ عین (انفرادی فرض) ہے اور یہ کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے طریقہ کار کے مطابق، تمام ارکان، صحت کی شرائط اور شرعی طریقے سے صفوں کی ترتیب کے مطابق ہی ادا کرنا لازم ہے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ جوابات میں واضح کیا... اس طریقے سے نماز پڑھنے کے اختیار سے روکنا ایک بہت بڑا گناہ ہے جو اہلِ اقتدار کے کاندھوں پر ہے، چاہے وہ ریاست کی جانب سے مساجد بند کرنا ہو یا شرعی طریقے سے نماز کی ادائیگی سے روکنا ہو۔

اور چونکہ نمازِ جمعہ ایک انفرادی فرض ہے، لہذا ہر مکلف مسلمان پر اس کی شرعی طریقے سے ادائیگی، تمام تر ارکان، صحت کی شرائط اور صفوں کی کسی فاصلے کے بغیر ترتیب وغیرہ کے ساتھ فرض ہے۔ اور اگر فرد کسی جسمانی رکاوٹ یا کسی ایسے ظالم حکمران کی وجہ سے یہ نہیں کر پاتا، جو لوگوں کو شرعی طریقے پر نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے روکتا ہے، بلکہ وہ حکمران نمازیوں کو فاصلے کا پابند کر کے بدعت پر مجبور کرتا ہے، اور نمازی اس سے بچنے کے قابل نہیں ہے، پھر ہر کسی کو اس فرض کو اپنی صلاحیت کے مطابق انجام دینا چاہئے، جبکہ ظالم حکمران گناہ کا مرتکب ہوتا ہے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جیسا کہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: **»وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" «لہذا اگر میں تمہیں حکم دیتا ہوں تو اپنی پوری صلاحیت سے اس پر عمل کرو"** اور یہ بخاری کے الفاظ ہیں... لہذا، اگر کوئی مسلمان جمعہ کی نماز (فرضِ عین) کو بغیر فاصلے کے سیدھی قطار میں ادا کر سکتا ہے تو اسے اسی طریقے سے ادا کرنا چاہئے کیونکہ فاصلہ بدعت ہے، جب تک کہ وہ اس سے بچ سکے۔ لیکن اگر وہ گنہگار اہلِ اقتدار کے آگے مجبور ہے تو اسے اس طرح نماز ادا کرنی چاہیے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ النووی (متوفی: 676ھ) نے اپنی کتاب، المنہج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج میں مسلم کی روایت کردہ اس حدیث: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا»... :**فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" «پس اگر میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اپنی بساط کے مطابق اس پر عمل کرو"**، کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: یہ اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے اور ایسے الفاظ جو مختصر ہیں مگر جامع معنی رکھتے ہیں، جو نبی ﷺ کو عطا کیے گئے تھے، اور اس کے تحت اَن گنت احکام شامل ہیں جیسا کہ تمام طرح کی نمازیں۔ اگر کوئی شخص کچھ ارکان یا کچھ شرائط کو انجام دینے سے قاصر ہے تو اسے باقی ضرور ادا کرنی چاہئے... اور اللہ بہتر جاننے والا ہے) اختتام۔

مجھے امید ہے کہ نماز جمعہ کے موضوع کے حوالے سے یہ اطمینان بخش ہے۔

آخر میں: صحتمند افراد کو نماز جمعہ پڑھنی چاہئے، اور بیمار شخص کو معافی ہے، لہذا وہ مسجد نہ جائے، اور اگر اس کی بیماری وبائی ہے تو، پھر جمعہ کے لیے نہ جانا یقینی ہے، اور احتیاط اور امور کی دیکھ بھال کے لیے، ریاست ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے جمعہ کے روز مساجد کے قریب صحت کے مراکز قائم کرے۔

جہاں تک آپ کے نقصان سے متعلق اصول کے بارے میں یہ سوال ہے کہ اس کا تعلق کسی چیز سے ہے یا عمل سے تو، اس کا تعلق ان دونوں امور سے ہے جیسا کہ ہم نے کتاب الشخصية الاسلامية ، جلد تین، "ضرر کا قاعدہ" سے نقل کیا ہے اور ہم نے اس متن میں تاکید کے طور پر "چاہے یہ عمل ہے یا کوئی چیز" کے فقرے کو اجاگر کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت کافی ہے، اور اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل أبو الرشتة

9 شوال 1442ھ

21 مئی 2021ء

فہرست

او آئی سی کو ختم کرو
اور خلافت قائم کرو

او آئی سی وہ تنظیم ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی وحدت کی خواہش کو روکنے کیلئے انھیں محض آپسی "بھائی چارے" اور "محدود تعاون" کے نعروں تک محدود رکھنا ہے، تاکہ مسلمان قومی ریاستوں میں یونہی تقسیم رہیں اور کافر ہمیں "لڑاؤ اور تقسیم کرو" کی پالیسی سے کمزور کرتے رہیں ۔ مسلمانوں کو عملی طور پر یکجا کرنے کا ایک ہی اسلامی طریقہ ہے اور وہ خلافت ہے۔ خلافت مسلمانوں کے درمیان بارڈروں کو مسمار کرے گی۔ افواج اور وسائل کو یکجا کرے گی، اور دنیا کے نقشے پر اسلام کو عالمی طاقت بنا دے گی۔ تو کیا پاکستان اس خلافت کے آغاز کیلئے آئیڈیل جگہ نہیں؟

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ﴾ "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقے میں مت پڑو"

(سورہ آل عمران: 103)

#UnificationViaKhilafah

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)